مجموعہ نظم حالی

[illegible] ت کی لکھی

ہوئی چودہ مندرجہ ذیل نظمیں جمع کی ہیں

برکھا رت۔ نشاط امید۔ حب وطن۔ مناظرۂ رحم و انصاف

…ٹ۔ خدمت۔ مدرسۃ العلوم مسلمانان۔ تعصب و انصاف

کلمۃ الحق۔ مناظرہ واعظ و شاعر۔ جشن جوبلی۔ چھوٹے

اور بڑے کا مناظرہ۔ التماس مسلمانان۔ جوانمردی کا کام

دربار قیصری

۱۸۹۰ء

مطبع مرتضوی دہلی میں حافظ قمرالدین کے اہتمام سے چھپا

کاغذ قسم اول

کاغذ قسم دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً
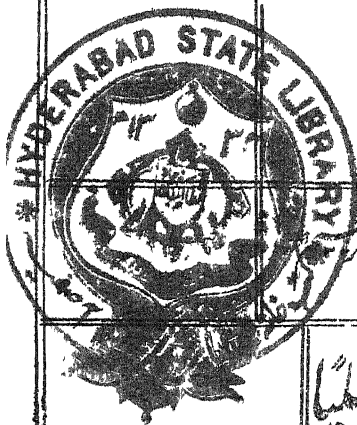
۱۸۷۴ء میں جب راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا
مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب کی
تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جو ہر مہینے میں ایک بار انجمن کے
مکان میں منعقد ہوتا تھا۔ اس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ دُرو بست
عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہوگئی ہے اس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور
اس کی بُنیاد حقائق و واقعات پر رکھی جائے۔ یہ تحریک اگر پندرہ برس پہلے کیجاتی
تو شاید اس پر کوئی ثمرہ مترتب نہ ہوتا کیونکہ جو لوگ ہندوستان میں اُردو نظم پر تھوڑی
یا بہت قدرت رکھتے تھے وہ عشقیہ مضامین کی ممارست سے شاعری کو عاشقی کا مرادف
جانتے تھے اور مبالغہ کو شعر کے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ وہ واقعہ نگاری اور
تصویر حقائق کو منصب شاعری کے خلاف تصور کرتے تھے انھوں نے مغربی انشا پردازی

کا کوئی نمونہ بھی اپنی زبان میں نہیں دیکھا تھا جسپر وہ اپنی شاعری کی بنیاد رکھنے کے
قابل ہوتے۔ لیکن یہ تحریک خوش قسمتی سے ایسے وقت ہوئی جب کہ اُردو زبان
میں مغربی خیالات کی روح پھونکی جارہی تھی۔ لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین
انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہوگئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ دیسی اخباروں
میں بھی جنمیں سے سینٹیفک سوسائٹی علیگڈہ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ ذکر کے
قابل ہے اکثر انگریزی آرٹکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ ان اسباب سے مغربی طرز
تحریر اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی
تھی۔ یہانتک کہ ۱۸۷۰ء میں سرسید احمد خاں نے پرچہ تہذیب الاخلاق جاری
کیا جسکے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد
ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا۔ اردو و فارسی انشاپردازی کا قدیم طریقہ اُن کی
نظر میں نہایت سخیف اور سبک معلوم ہونے لگا اور اپنی شاعری کو وہ حقارت
کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اُس وقت اُردو
زبان میں موجود نہ تھا اور نہ اب تک موجود ہے لیکن وہ جو مشہور ہے کہ دیوانہ را
ہوئے بس است۔۔ جدت پسند طبیعتوں پر جسقدر مغربی انشاپردازی کی لَو ابتک
کھلی تھی وہی اُنکو لے اُڑی۔ بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہن مشق بھی جن پر
قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اس مشاعرہ میں شریک ہونے لگے۔ اگرچہ یہ صحبت
مدت تک جمی رہی لیکن راقم صرف چار جلسوں میں شریک ہونے پایا تھا کہ بہ سبب

ناموافقت آب وہوا کے لاہور سے تبدیل ہو کر دلی چلا آیا۔ مجھکو مغربی شاعری کے
اصول سے نہ اُس وقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہے اور نیز میرے نزدیک مغربی
شاعری کا پورا پورا تتبع ایک ایسی ناکمل زبان میں جیسی کہ اُردو ہے ہو بھی نہیں سکتا
البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ و اغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے
نے اُس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس ایک بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز
ایسی نہیں ہے جس سے انگریزی شاعری کے تتبع کا دعویٰ کیا جا سکے یا اپنی قدیم
طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عائد ہو۔

چار مثنویاں جو اِس مجموعہ میں سب سے اول درج کی گئی ہیں یعنی **برکھا رُت**
نشاطِ امید۔ حب الوطن۔ اور **مناظرہ رحم و انصاف۔**
اُسی مشاعرہ کی نظمیں ہیں جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اس کتاب میں داخل کی گئی
ہیں۔ اُنکے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو مشاعرہ مذکور سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ محض
بہ تقاضائے وقت و بہ مقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض اکابر قوم وقتاً بعد وقتٍ و حیناً
بعد حینٍ ترتیب پا کر اُنمیں سے چند عام طور پر شائع ہو گئی ہیں اور چند بالکل شائع نہیں
ہوئیں۔ اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعہ سے بعض احباب نے پبلک کی نذر کی ہیں
میرے اکثر دوست مدت سے متقاضی تھے کہ اپنے تمام ہفوات ایک جگہ جمع کر کے
نکتہ نواز دوستوں سے داد اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں امداد لوں
لیکن جو نظمیں عام طور پر شائع ہو رہی ہیں جیسے **مد و جزر اسلام**

مناجات بیوہ حقوق اولاد۔ اور شکوہ ہند وغیرہ۔

انکو اس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور دیوان غزلیات و قطعات و رباعیات وغیرہ میں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اسلئے اِن کو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں جو ۱۸۷۴ء سے ابتک لکھی گئی ہیں سب ہدیہ ناظرین کیجاتی ہیں +

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہموطنوں سے جو کسی قسم کی جدت کو پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعہ میں اُن کی ضیافت طبع کا کوئی سامان مجھ سے مہیا نہیں ہو سکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں اعتراف کرتا ہوں کہ طرز جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ البتہ میں نے اردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور ناپائدار بنیاد ڈالی ہے۔ اُس پر عمارت چننی اور اسکو ایک قصر رفیع الشان بنانا ہمارے آئندہ ہونہار اور مبارک نسلونکا کام ہے جنسے امید ہے کہ اس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑینگی۔

> بارہ در خاک بسعی تخم سعی افشاندہ ایم
> بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخل باردار

برکھارُت

مرتبہ ۱۸۷۴ء

گرمی کی تپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کی لئے کتاب عرفان
وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد
وہ آئی تو آئی جان میں جان
سب تھے کوئی دن ورنہ مہمان
گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا
اور کھول رہا تھا آب دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے
اور ہانپ رہے تھے چارپائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے
اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست ۔ گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا ۔ بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں ۔ اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ ۔ تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

گرمی کا لگا ہوا تھا بھپکا ۔ اور اُنس نکل رہا تھا سب کا

طوفان تھے آندھیوں کے برپا ۔ اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے ۔ شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی آگ کا دے رہی ہوا کام ۔ تھا آگ کا نام مُفت بدنام

رستوں میں سوار اور پیدل ۔ سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل

گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پانو ۔ ملتی تھی کہیں نہ مکھ کی چھانو

تھی سب کی نگاہ سوے افلاک ۔ پانی کی جگہہ برستی تھی خاک

نتھنے سے نکلتی جو ہوا تھی ۔ وہ بادِ سموم سے سوا تھی

بجھنی نہ تھی آتشِ درونی ۔ لگتی تھی ہوا سے آگ دونی

اِس سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک ۔ جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

بھٹی میں تھا دن گنواتا کوئی ۔ تہ خانہ میں مُنہ چھپاتا کوئی

بازار پڑے تھے سارے سُنسان ۔ آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان

جلتی تھی دُکان جنکی دن رات ۔ بیٹھے تھے وہ ہات پر دھرے ہات

خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا — یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
تھا شہر میں قحط آدمی زاد — سلطان[له] کا اک کنواں تھا آباد
پانی سے تھی سب کی زندگانی — میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی — فالودہ پہ رال تھی ٹپکتی
پھل پھول کی دیکھ کر طراوت — پاتے تھے دل و جگر طراوت
کُنجڑوں کی وہ بولیاں سُہانی — بھر آتا تھا سنکے مُنہ میں پانی
تھے جو خفقانی اور مراقی — گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزا کچھ — آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بن کھائے کئی کئی دن اکثر — رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے — مرپیٹ کے صبح تھی پکڑتے
اور صبح سے شام تک برابر — تھا اَلعَطَش اَلعَطَش زباں پر
بچوں کا ہوا تھا حال بیحال — کُملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُنکا پیاس سے دم — تھے پانی کو دیکھ کرتے ہُم ہُم
ہر بار پکارتے تھے ماں کو — ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو
پانی دیا گر کسی نے لاکر — پھر چھوڑتے تھے نہ مُنہ لگا کر

له لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی تھی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے ۱۲

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر — تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر

تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری — پانی سے نہ تھی کسی کو سیری

کل شام تلک تو تھے یہی طور — پر رات سے ہی سماں ہے کچھ اور

پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے — پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — اک شور ہے آسمان پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاونی سی چھاتی — ایک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپخانے

توپوں کی ہے جبکہ باڑھ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی

سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر

باغوں نے کیا ہے غسل صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نور

بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار
اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

ہے سنگ و شجر کی ایک وردی
عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار
دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
ہے گونج رہا تمام جنگل

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو
اور مور جھنکارتے ہیں ہر سو

کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی
گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی

مینڈک ہیں جو بولنے پہ آتے
سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر
پانی میں مگر گچھار میں شیر

زردار ہیں اپنے مال میں مست
قلاّنچ ہیں اپنی کھال میں مست

ابر آیا ہے گھر کے آسمان پر
کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقوےٰ
یا ربّ لنا و لا علینا

مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا
کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی
گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی

جاتا ہے کوئی ملار گاتا
ہے دیس میں کوئی گنگناتا

بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے
اور بانسریاں بجاتے پھرتے

سُر دُن کوئی گا رہا ہے بیٹھا
چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا

پرٹھک جو بڑے ہیں جھن میں مست
ڈھلکتے ہیں دلیوں پہ ڈھلکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیُوں کی رکھیا　　تا جل نہ سمجھے کوئی پتنگا

*

ہیں شکر گزار تیرے برسات　　انسان سے لیکے تا جمادات

دُنیا میں بہت تھی چاہ تیری　　سب دیکھ رہے تھے راہ تیری

تجھ سے ہے کھُلا یہ رازِ قدرت　　راحت ملتی ہے بعدِ کُلفت

شکر یہ فیضِ عام تیرا　　پیشانیِ دہر پہ ہے لکھا

گلشن کو دیا جمال تو نے　　کھیتی کو کیا نہال تو نے

طاؤس کو ناچنا بتایا　　کوئل کو الاپنا سکھایا

جب مور ہے ناچنے پہ آتا　　آپے سے ہے اپنے گذرا جاتا

کوئل کو نہیں قرار اک پل　　ایسی کوئی تو نے گدگدی کل

شب بھر ہیں ہوا سماں دگرگوں　　کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں

سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا　　اُٹھے تو سماں ہی ماہ کا سا

لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن　　کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن

اِمرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ　　اک رات میں تجھ سے کر دیا کچھ

دریا تجھ بن سسک رہے تھے　　اور بن ترے راہ تک رہے تھے

دریاؤں میں تو نے ڈالدی جان　　اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان

جن جھیلوں میں کل تھی خاک اُڑتی　　ملتی نہیں آج تھاہ اُن کی

جو دانے تھے خاک میں پریشان
سب آکے چڑھائے تو نے پروان

دولت جو زمین میں تھی مخفی
آگے ترے اُس نے سب اگل دی

پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر
وہاں سبزہ و گل ہیں جلوہ گستر

جن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے
باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے

جن باغوں میں اُڑتے تھے بگولے
وہاں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے

تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار
ہے بیر بہٹیوں سے گلنار

کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بہ سو پڑے ہیں

کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جنکے ہیں یہ کھیل کود کے دن

ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری

جب گیت ہیں ساری ملکے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی

اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے
اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے

ہے اُن میں کوئی ملار گاتی
اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی

گاتی ہے کوئی کبھی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اک جھولے سے وہ گری ہے جاکر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگاکر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں

گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی
اور تیر کے پہنچا پار کوئی

بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی
مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی

چڑھے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے | دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی | موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں | موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان | بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
منجدھار کی رَو پہ زور پر ہے | مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار[1] اک اپنے جان و تن سے | بچھڑا ہوا صحبت وطن سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا | چلنے کا نہیں ہے جسکو یارا
غمخوار ہے کوئی اور نہ دلجو | اک باغ میں ہے پڑا لب جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی | آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا | اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
برق آ کے لگی تڑپنے پیہم | اور پڑنے لگی پھوار کم کم
آنے جو لگے ہوا کے جھوکے | تھے جتنے سفر کے رنج بھولے
سامان ملے جو دل لگی کے | یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم | وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

[1] یہاں سے آخیر تک کچھ اشعار بہ رعایت موسم اپنے حسب حال بے اختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں اُن دونوں میں ہجوم امراض اور دیگر عوارض کی وجہ سے لاہور میں رہنا فی الواقع نہایت شاق معلوم ہوتا تھا اور وطن کی طرف واپس آنے کے لئے کوشش کیجاتی تھی ۱۲

وہ آپ ہی آپ گنگنانا ۔ اور جوش میں آ کبھی یہ گاتا
اے چشمۂ آب زندگانی ۔ گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری ۔ بستی ہے اسی طرف ہماری
پائے جو کہیں مری سبھا کو ۔ دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا ۔ پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنی لکھا ۔ فرقت میں تمھاری آئے برکھا
آتا ہے تمھارا دھیان جس دم ۔ مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یوں ہی صبح و شام اکثر ۔ تالاب میں تیرتے تھے جا کر
جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے ۔ صحبت کے مزے ہیں یاد آتے
ہم تم یوں ہی ہاتھ میں دیے ہات ۔ پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا ۔ ہیں تمکو ادھر ادھر ہوں تکتا
آخر نہیں پاتا جب کسی کو ۔ دیتا ہوں دعائیں بیکسی کو
رت آم کی آئے اور نہوں یار ۔ جی اپنا ہے ایسی رت سے بیزار
تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی ۔ چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی ۔ پر دل میں ہے آگ سی سلگتی
پردیس میں سچ ہے کیا ہو جی شاد ۔ جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد
نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی ۔ فریاد یہ درد ناک اس کی

تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز
پکڑ اگیا دل سُن اُس کی آواز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر
ڈھونڈا ہے کہاں کا یہ مسافر
پھر غور سے اِک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

نشاط امید

مرتبہ ۱۸۷۴ء

اے مری امید مری جان نواز
اے مری دل سوز مری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
کاٹنے والی غمِ ایام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی
دل پہ پڑا آنکے جب کوئی دُکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سُکھ
تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تو نے اُٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
جی کو ہوا اگر کبھی عسرت کا رنج
کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج
تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
تجھ سے ہر بیمار کو جینے کی آس
خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو
عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو
نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو
رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
پانڈوؤں کے ساتھ پھری بن میں تو

تونے سدا قیس کا بہلایا دل — تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل

ہوگیا فرہاد کا قصہ تمام — پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

تونے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس — ہیر بھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب — مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب

ہاتھ میں جب آکے لیا تونے ہات — سات سمندر سے گذرنا ہے بات

ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم — کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم

گھوڑے کی لی اپنے جہاں تونے باگ — سامنے ہے تیرے **گیا اور پراگ**

عزم کو جب دیتی ہے تو میلِ جست — گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست

تونے دیا آکے ابھارا جہان — سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہان

ذرے کو خورشید میں دے تو کھپا — بندے کو اللہ سے دے تو ملا

دونو جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ — دین کی تو اصل ہے دُنیا کی جڑ

نیکیوں کی تجھ سے ہے قائم اساس — تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس

دین کی تجھ بن کہیں پرسش نہو — تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو

خشک تھا بن تیرے درختِ عمل — تونے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل

دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور — گاہ دکھاتی ہے شرابِ طہور

نام ہے سدرہ کبھی طوبےٰ ترا — روز نرالا ہے تماشا ترا

کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل — جلوے ہیں سب تیرے یہ قال و قیل

روپ ہیں ہر شے میں تیرے الگ — ہے کہیں فردوس کہیں ہے سرگ

ایک سے ہے ایک انوکھا برن — ہے کہیں محشر کہیں آواگون

ایک ادا میں تیری لاکھوں رشی — کھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی

کوہ ہمالہ میں بہت جا گلے — اور تپشا میں بہت جل بجھے

تیرے تصور میں ہزاروں دلی — ڈوبے کچھ ایسے کہ نہ اُچھلے کبھی

پڑھ دیا زاہد پہ کچھ ایسا فسوں — دل کی تپش اُس کی ہے ہر دم فزوں

کر دیا راہب پہ خدا جانے کیا — ہو گیا دُنیا سے وہ بیزار سا

جس کو غرض دیکھئے دُھن ہے یہی — صوفی صافی ہو کہ ہو مولوی

نشۂ امید میں ہیں چور سب — ایک پیالے سے ہیں مخمور سب

جب کہ ہمایوں سے چھٹا ملک و تخت — اور پھنسا بندِ حوادث میں سخت

یار رہا اور نہ کوئی غمگسار — دوست و دشمن کے لگے چلنے وار

پھر گئے دلدادۂ عرماں تھے جو — چھٹ گئے وابستۂ داماں تھے جو

گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ — ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ

ہو گئے اغیار یگانے سبھی — تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی

چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید — ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی اُمید

تیرے ہی دم سے کٹے جو دن تھے سخت
تیرے ہی صدقے سے ملا تاج و تخت

خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

کوئی پڑا پھرتا ہے بہر معاش
ہے کوئی اکسیر کو کرتا تلاش

ایک تمنا میں ہے اولاد کی
ایک کو دلدار کی ہے لو لگی

ایک کو ہے دھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے

ایک کو کچھ آج اگر مل گیا
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائینگے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
جس میں ہو اُنکے لئے انجام نیک

ایک کو ہے تشنگی قرب حق
جس نے کیا دل سے جگر تک ہے شوق

جو ہے غرض اُس کو یہی جستجو
لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ
گل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد
کہتی ہے جب تو کہ اب آئی مراد

وعدہ تیرا راست ہو یا ہو دروغ
تو نے دئے ہیں اُسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
رکھتی ہے ہر ایک کو خرسند تو

بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل
تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل

تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے
بزم عزا کو طرب آگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس
رکھے غنی اُس کو رہے جس کے پاس

پاس کا باقی ہے جو تو کچھ لگاؤ
سینکڑوں کرتی ہے اُتار اور چڑھاؤ

آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس
ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس

جن کو میسر نہیں کملی پھٹی
خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی

چھینٹی سے دروٹی کا ہے جنکی بناؤ
بیٹھے پکاتے ہیں خیالی پلاؤ

پاؤں میں جوتی نہیں پر ہے یہ ذوق
گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق

فیض کے کھولے ہیں جہاں تونے باب
دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب

تیرے کرشمے ہیں غضب پُرفریب
دل میں نہیں چھوٹتے صبر و شکیب

تجھ سے ہوس نے جو شور لیا
پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا

دل سے بھلایا زن و فرزند کو
تک گیا گلشن نخلِ برومند کو

کھانے سے پینے سے ہوا سرد جی
ایسی کچھ اکسیر کی ہے لو لگی

دین کی ہے فکر نہ دُنیا سے کام
دُھن ہے یہی رات دن اور صبح و شام

دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا
شہ کو سمجھتا ہے اک ادنیٰ گدا

پیسے کو جب تاؤ پہ دیتا ہے تاؤ
پھونکتا یاروں کی ہے سونے کا بھاؤ

کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر
رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر

ہے اسی دھندے میں آسودہ حال
تونے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال

تول کے گر دیکھئے اُس کی خوشی
کوئی خوشی اُس کو نہ پہنچے کبھی

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت
جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت

آج جو برتن ہیں تو کل گھر گرو
ملتی ہے مشکل سے انھیں نان جو

تیرے سوا خاک نہیں انکے پاس
ساری خدائی میں ہے لے دے کے آس

پھولے سماتے نہیں اس آس پر
صاحب عالم انھیں ہوئے اگر

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
چھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلے کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اڑتا ہے خاکا کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

آتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رخت سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھمیں چھپا راحت جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے امید

حبِّ وطن

مرتبہ ۱۸۷۴ء

اے سپہر بریں کے سیارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو
اے پہاڑوں کی دلفریب فضا — اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
اے عنادل کی نغمۂ سحری — اے شبِ ماہتاب تاروں بھری
اے نسیمِ بہار کے جھوکو — دہرِ ناپائدار کے دھوکو
تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز — تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
جب وطن میں ہمارا تھا رمنا — تم سے دل باغ باغ تھا اپنا
تم مری دل لگی کے ساماں تھے — تم مرے دردِ دل کے درماں تھے
تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی — تم سے پاتا تھا دل شکیبائی
آن اک اک تمہاری بھاتی تھی — جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی
کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری — دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری
جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے — ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے
بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لب آب — دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب
کوہ و صحرا و آسمان و زمیں — سب ہی دل لگی کی شکلیں تھیں
پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے
نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے

سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال
شب مہتاب جان کو ہے وبال

کوہ و صحرا سے تا لب دریا
جس طرف جائیں جی نہیں لگتا

کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں
تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمھارے ہی کچھ بدل گئے طور

گو وہی ہم ہیں اور وہی دُنیا
پر نہیں ہم کو لطف دُنیا کا

اے وطن اے مرے بہشت بریں
کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں

رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا
وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

تیری دوری ہے موردِ آلام
تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے
گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے

مِٹ گیا نقش کامرانی کا
تجھ سے تھا لطف زندگانی کا

جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا
اُن کو کیا ہوگا زندگی کا مزا

ہو گیا یہاں تو دو ہی دن میں یہ حال
تجھ بن ایک ایک پل ہے ایک اک سال

سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے
یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے

میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار
یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار

کیا زمانہ کو تو عزیز نہیں
اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں

جن و انسان کی حیات ہے تو
مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو

ہے نباتات کو نمو تجھ سے
روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے

سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا

تیری اک مشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

حملہ جب قوم آریا نے کیا
اور بجا ان کا ہند میں ڈنکا

ملک اس سے بہت سے کام آئے
جو بچے وہ غلام کہلائے

شودر کہلائے راکشس کہلائے
رنج پردیس کے مگر نہ اٹھائے

گو غلامی کا لگ گیا دھبا
نہ چھٹا ان سے دیس پر نہ چھٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی
پوچھئے پردیسیوں کے جی سے کوئی

جب ملا رامچندر کو بن باس
اور نکلا وطن سے ہو کے اداس

باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
پر چلا ساتھ لے کے داغ جگر

پاؤں اٹھتا تھا اس کا بن کی طرف
اور کھچتا تھا دل وطن کی طرف

گزرے غربت میں اس قدر مہ و سال
پر نہ بھولا اجدھیا کا خیال

دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا
دل میں کانٹا سا اک کھٹکتا رہا

تیر اک دل میں آکے لگتا تھا
آتی تھی جب اجدھیا کی ہوا

کٹنے چودہ برس ہوئے تھے محال — گویا ایک ایک جگ تھا ایک اک سال

ہوئے یثرب کو جب حبیب راہی — سید ابطحی کے ہمراہی
رشتے الفت کے سارے توڑ چلے — اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا — پہ وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
دل لگی کے بہت سے تھے ساماں — پر نہ بھولے وطن کے ریگستاں
دل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے — سنگریزے زمین بطحا کے
گھر خداؤں سے جن کی چھوٹا تھا — دل سے رشتہ نہ ان کا ٹوٹا تھا

ہوئیں یوسف کی سختیاں جب دور — اور ہوا ملک مصر پر مامور
مصر میں چار سو تھا حکم رواں — آنکھ تھی جانب وطن نگراں
یادِ کنعاں جب اسکو آتی تھی — سلطنت ساری بھول جاتی تھی
دکھ اٹھائے تھے جس وطن میں سخت — تاج بھاتا تھا اس بغیر نہ تخت
جسنے دیکھی تھی سخت بے مہری — لو تھی ان بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حبِ وطن میں ہیں غرق — ہم میں اور ان میں ہے مگر یہ فرق
ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے — وہ تھے اہل وطن کے پروانے
جسنے یوسف کی داستاں ہے سنی — جانتا ہوگا نہ یہ ادا اُس کی

مصر میں قحط جب پڑا آکر
اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر

کر دیا اُنسے وقف بیت المال
لب تک آنے دیا نہ حرفِ سوال

کھتیاں اور کوٹھے کھول دئے
مفت سارے ذخیرے تول دئے

قافلے خالی ہاتھ آتے تھے
اور بھرپور یہاں سے جاتے تھے

یوں گئے قحط کے وہ سال گزر
جیسے بچوں کی بھوک وقت سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار
خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار

او شراب خودی کے متوالے
گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے

نام ہے کیا اسی کا حبِّ وطن
جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن

کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے
کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی
لو کبھی اہل شہر کی ہے لگی

نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار
پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار

کیا وطن کی یہی محبت ہے
یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے

اسمیں انسان سے کم نہیں ہیں درند
اس سے خالی نہیں چرند و پرند

ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں
سوکھ جاتے ہیں دکھ فرقت میں

جاکے کابل میں آم کا پودا
کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا

آکے کابل سے یہاں بھی وانا
ہو نہیں سکتے بار ور زنہار

مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے
ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے

آگ سے جب ہوا سمندر دور
اوسکو جینے کا پھر نہیں مقدور

گھوڑے جب طبیت سے بچھڑتے ہیں
جان کے لالے اُنکے پڑتے ہیں

گائے یا بھینس اونٹ یا بکری
اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

ہے حُبِّ وطن اِسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھہ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد

جسپہ اطلاقِ آدمی ہو صحیح
جسکو حیواں پہ دے سکیں ترجیح

قوم پر کوئی زد نہ دیکھہ سکے
قوم کا حال بد نہ دیکھہ سکے

قوم سے جان تک عزیز نہ ہو
قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو

سمجھے اُنکی خوشی کو راحتِ جاں
وہاں جو نوروز ہو تو عید ہو یہاں

رنج کو اُنکے سمجھے مایۂ غم
وہاں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم

بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل
دیکھہ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل

جب پڑے اُنپہ گردشِ افلاک
اپنی آسائشوں پہ ڈالدے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ پیؤ چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لطف اُٹھاؤ
دل کو دُکھہ بھائیوں کے یاد دلاؤ

پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک
کرو دامن سے تا گریباں چاک

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا انکو وہ خواب میں نہیں ملتا

جسپہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو وہاں بستر نہیں وہ اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیونکو پہناؤ کہ ہے اُترن تمہاری جنکا بناؤ

ایک ڈالی کی سب ہیں برگ و ثمر ہے کوئی اُنمیں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند کوئی آزردہ ہے کوئی خرسند

مقبلو مدبروں کو یاد کرو خوش ہو غمزدونکو شاد کرو

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

ہیں ملے تمکو چشم و گوش اگر لو جو لیجائے کور و کر کی خبر

تم اگر ہاتھ پاؤں رکھتے ہو لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر نہ کسی ہموطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو

جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی جینی مت ہووے یا ہو بشنوی

سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو

مُلک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی

ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ
لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ

پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی

پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے
مُلک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے

کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا
کبھی دُرّانیوں نے زر لوٹا

کبھی نادر نے قتلِ عام کیا
کبھی محمود نے غلام کیا

سب سے آخر کو لے گئی بازی
ایک شائستہ قوم مغرب کی

یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام
کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام

ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم
پڑتی جو سر پہ وہ اُٹھاتے تم

مُلک روندے گئے ہیں پیروں سے
چَین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو تمھارے ہیں برتاؤ
سوچو اے میرے پیارو اور شرماؤ

اہلِ دولت کو ہے یہ استغنا
کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا

شہر میں قحط کی دہائی ہے
جانِ عالم لبوں پہ آئی ہے

بھوک میں ہر کوئی نڈھال پڑا
موت کی مانگتا ہے کوئی دُعا

بچے اک گھر میں بلبلاتے ہیں
رو کے ماں باپ کو رُلاتے ہیں

کوئی پھرتا ہے مانگتا در در
ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر

پر عجب ہیں اُنھیں صاحبِ مقدور
اُنھیں گنتی کے ہونگے ایسے غیور

کہ جنھیں بھائیوں کا غم ہوگا
اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا

جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد
دل کے نامرد اور نام کے مرد

عیش میں جنکے کٹتے ہیں اوقات
عید ہے دن تو شبرات ہے رات

قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے
کام اُنھیں اپنے حلوے مانڈے سے

ان کو اب تک خبر نہیں اصلا
شہر میں بھاؤ کیا ہے غلّہ کا

غلّہ ارزاں ہے یا ندنوں کہ گراں
کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں

کال کیا شے ہے کسکو کہتے ہیں بھوک
بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک

سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے
اُسکے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہلِ دولت کا سن چکے تم حال
اب سنو رویداد اہلِ کمال

فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد
پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد

ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا
ایک سے ایک کا ہے ٹھوک جُدا

رہتے دو اہل علم ہیں اس طرح
پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح

عیدو والوں کا ہے اگر پٹھا[۱]
شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

[۱] عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو متقابل گروہ دلی میں تھے جنمیں سے ایک سرگروہ اور استاد کا نام عیدا اور دوسرے کا شیخو تھا ۱۲

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار
خوشنویسوں کو ہے یہی آزار

لاکھ نیکوں کا کیوں نہو اِک نیک
دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک

اسیطرح شہ ہے کہ اہل ہنر
دور سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر

ملی اک گانٹھ جس کو ہلدی کی
اُس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری

نسخہ اِک طب کا جس کو آتا ہے
سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ
ہے ہماری طرف سے وہ گونگا

جس کو ہے کچھ رَمل میں معلومات
وہ نہیں کرتا سیدھے مونہہ سے بات

باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
بھید پاتا نہیں مُنجّم کا

کام گندلے کا جسکو ہے معلوم
ہے زمانہ میں اُسکے بخل کی دھوم

الغرض جسکے پاس ہے کچھ چیز
جان سے بھی سوا ہے اُسکو عزیز

قوم پر اِنکا کچھ نہیں احسان
اِن کا ہونا نہ ہونا ہے یکسان

سب کمالات اور ہنر اِن کے
قبر میں اِن کے ساتھ جائینگے

قوم کیا کہہ کے ان کو روئے گی
نام پر کیونکہ جان کھوئے گی

تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے
خواہ بی اے ہوں اسمیں یا ایم اے

بھرتے حُبِّ وطن کا گو دم ہیں
پر محبِّ وطن بہت کم ہیں

قوم کو اِنسے جو امیدیں تھیں
اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں

ہسٹری اِنکی اور جوگرفی
سات پردوں میں مُنہ دئے ہے پڑی

بند اُس قفل میں ہے علم اِن کا — جس کی کُنجی کا کچھ نہیں ہے پتا

لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے — گویا گونگے کا گُڑ ہیں کھائے ہوئے

کرتے پھرتے ہیں سیرِ گل تنہا — کوئی پاس انکے جا نہیں سکتا

اہلِ انصاف شرم کی جا ہے — گر نہیں بُخل یہ تو پھر کیا ہے

تمنے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ — تمنے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ

یہ جو دولت تمھارے پاس ہے آج — ہموطن اسکے ہیں بہت محتاج

مُنہ کو ایک اک تمھارے ہے تکتا — کہ نکلتا ہے مُنہ سے آپ کے کیا

آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے — کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کیجئے

میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ — قوم سے پوچھئے تو ہیں یہ پاپ

مُنڈا جوتا اگر آپ کو ہے پسند — قوم کو اس سے فائدہ نہ گزند

قوم پر کرتے ہو اگر احسان — تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں

کچھ دلوں عیش میں خلل ڈالو — پیٹ میں جو ہے سب اُگل ڈالو

علم کو کر دو کو بکو ارزاں — ہند کو کر دکھاؤ انگلستان

سنتے ہو سامعین با تمکین — سنتے ہو حاضرینِ صدر نشین

جو ہیں دُنیا میں قوم کے ہمدرد — بندۂ قوم اُنکے ہیں زن و مرد

باپ کی ہے دعا یہ بہر پسر — قوم کی میں بناؤں اِسکو سپر

ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد — قوم پر سے نثار ہو اولاد

بھائی آپس میں کرتے ہیں پیماں
تو اگر مال دے تو میں دوں جان

اہل ہمت کما کے لاتے ہیں
ہموطن فائدے اُٹھاتے ہیں

کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری
دخل اور خرچ جنکے ہیں بھاری

اور کہیں ہوتے ہیں کالج قائم
مبحثِ حکمت و ادب قائم

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے
بنتے ہیں سیکڑوں شفاخانے

ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر
قوم پر اُن کی فرض ہے تدبیر

ہیں سدا اِس اُدھیڑ بُن میں طبیب
کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے
ملک میں پھیلیں فائدے جس کے

رسم بد کا اثر جہاں پایا
حملہ پر حملہ اُس پہ ہونے لگا

کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر
کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے
دوسرا اُس کو کر دکھاتا ہے

لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں
آخر اُسکو مٹا کے چھوڑتے ہیں

قوم کی خاطر اُنکے ہیں سب کام
خواہ اِس میں سفر ہو خواہ مقام

سیکڑوں گلرخ اور مہ پارے
لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے

جان اپنی لئے ہتیلی پر
کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے
پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
ملک کا آئے کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں — مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں

لکھے جب تک جئے سفرنامے — چل دیے ہاتھ میں قلم تھامے

کو سفر میں اٹھائے رنج کمال — کر دیا پر وطن کو اپنے نہال

ہیں اب اُن کے گواہ حُبِّ وطن — در و دیوار پیرس و لندن

کہئے دُنیا کا جس کو باغِ جنان — ہے فرانس آج یا ہے انگلستان

کام ہیں سب بشر کے ہموطنو — تم سے بھی ہو سکیں جو مرد بنو

چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ — بس بہت سوئے اُٹھو ہوش میں آؤ

قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں — رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں

قافلوں سے اگر ملا چاہو — ملک اور قوم کا بھلا چاہو

گر رہا چاہتے ہو عزت سے — بھائیوں کو نکالو ذلت سے

اُنکی عزت تمھاری عزت ہے — اُنکی ذلت تمھاری ذلت ہے

قوم کا مبتذل ہے جو انسان — بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطان

قوم دُنیا میں جسکی ہے ممتاز — ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز

عزتِ قوم چاہتے ہو اگر — جا کے پھیلاؤ اُنمیں علم و ہنر

ذات کا فخر اور نسب کا غرور — اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور

اب نہ سید کا افتخار صحیح — نہ برہمن کو (شُدر) پر ترجیح

ہوئی ترکی تمام خانوں کی — کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

قوم کی عزت اب ہنر سے ہے
علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے

کوئی دن میں وہ دَور آئے گا
بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا

نہ رہیں گے سدا یہی دن رات
یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

مناظرہ رحم و انصاف

مرتبہ سنہ ۱۸۷۴ء

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا

نیکنامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں

قتل انساں ہمیشہ سے ہی عادت تیری
سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری

جان و مال سے نمرود کو کھویا تو نے
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے

فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے

قید خانوں میں جہاں کے ہے بڑا غل تیرا
جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا

تیرے فتوے پہ کروڑوں کے ہوئے سر تن سے جدا
اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے جدا

لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوش غضب
تجھ کو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کلمہ پڑھتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
تجھ سے تھرّاتے ہیں جبار بھی ہوں یا اعدا

نہ پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست
یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

بھینٹ ہے تیرے مذہب میں کسی کی امداد
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبت دیرینہ بھلا دیتا ہے
دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا
تجھ سا بے درد کوئی دنیا میں دیکھا نہ سنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نام خدا آجائے
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے

ایسی کرتوت پہ اے عدل کے دعوے ہیں تجھے
کہ بنا امن کی دنیا میں ہے قائم تجھ سے

اک تعجب ہے کہ بیگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار
اک یہی بس کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا
فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا

حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں
خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول
میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہل خطا پر میرا
ہاتھ اٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا

غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں
بنتے جاتے ہیں جہاں جیسے ہوئے آتے ہیں

مجرمی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں
بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں

موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم
یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں امید کے گم

مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے
اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے

میں ہی اک دم میں ہو جاتا ہوں انساں سے بشر
میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جاکر
میں ہی لیتا ہوں خبر حال غریبوں کی تمام

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی
میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمود بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پتلا
میں نہ ہوتا تو بھلا اسکا ٹھکانا کیا تھا

بڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا
میں وہاں ساحل دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھ سے ہوا گر اے عدل جہاں میں دوچار
لٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

*

جب سنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب
کہا انصاف نے ہو حلم تو دوں اسکا جواب

آپکی نیکیوں سے کسکو ہے انکار یہاں
کیونکہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحم برا ماننے کی بات نہیں
نیکیاں آپکو کردیں نہ یہ بدنام کہیں

ہے یہ مانا کہ مروت بھی بڑی ہے ایک چیز
پر مروت کے لئے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جسنے مروت کو یہاں عام کیا
اسکو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول میٹھے نہیں آفت کی یہ پرکالے ہیں
اس مروت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستوں کو ہے اشارا کہ کسی سے نہ ڈرو
دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ جا ہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
لئے پھرتی ہے اچکوں کو حمایت تیری

جتنے قزاق ہیں یہاں ان کا مددگار ہے تو
اور سب ڈاکوؤنکا قافلہ سالار ہے تو

ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرمان
اس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویران

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے اُستاد کی گھرکی کو نہیں مانتے کچھ — بدمعاش اہلِ پولس کو ہیں گردانتے کچھ

اہلکارونکا کچہری میں جو دیکھو بیوہار — سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار

پیٹ بگڑے ہوے وہاں پھرتے ہیں حاجت والے — اور مُنہ کھولے ہوے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروت سے انھیں خوف مآل — بول کیا لایا ہے" اظہار کا پہلا ہے سوال

ہر طرف بیچمیں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے — دونو ہاتھوں سے غرضمندونکو ہیں لوٹ رہے

یوں تو اے رحم تری ذات میں جتنے ہیں بہت — خیر تھوڑی ہی مگر آپ میں ہیں ور شر ہیں بہت

ایک ہنر کو جو تو قید سے چھوڑاتا ہے — بیسیوں قافلونکو جان کے لُٹواتا ہے

باپکو بیٹے نے ہو نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا — بے ادب کھنا اُسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اُٹھنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ — یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا — تیرا آغاز تو اچھا ہے پہ انجام برا

کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم — اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروت ہوں اگر میں تو یہہ جوہر ہے مرا — جسکو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا

سنگباری ہی جو سُنی ہو وہ طبیعت ہے مری — اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت تھی مری

معتدل نام ہے جسکا وہ مزاج اپنا ہے — بھاگ اُس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

میں ہی تھا جسنے کہ ویرانونکو آباد کیا — میں ہی تھا جسنے کہ اخبارونکو آزاد کیا

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری — رہے سے میرے ہیں سلطنتیں جمہوری

کھو دیا میں نے نشان سلطنتِ شخصی کا — اور دُنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا

مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
حکم و قانون کسی گھر میں مقید نہ رہا
جسطرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں
سر ذرا جس نے اٹھایا اُسے کھو کر چھوڑا
حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہی عام
رائے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا
میں دکھا دیتا سیاست کی اگر اپنی تلوار
کار فرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
وہاں تعصب کا پتا اور نہ عداوت کا گذر
حکم جاری ہے جدھر دیکھئے آزادی کا
کجروی مکر سے کہتی ہے میں آئی تو چل
پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
ہیں خطاکار کے دشمن در و دیوار یہاں
اور اگر عیب سے ہی پاک کسی کا دامن
نہ رعیت کا ہے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ عدالت میں اُسے ڈر کسی فریادی کا

راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا
میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں
باپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا
جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام
تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانہ پہ سدا
چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار
دم نہیں مارتی وہاں تیری مروت اے رحم
نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر
بڑھ کے چلتا نہیں وہاں شاہ سے لے تا بہ گدا
ٹیڑھے ترچھے جو نکلے بل اک آن میں جاتے ہیں نکل
جو کنوڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا مقرر رسوا
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں
غم نہیں اُس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن
نہ اُسے چور کا خطرہ نہ اُسے ساہ کا ڈر
اور نہ کچھ دغدغہ اخبار کی آزادی کا

جو ہنرمند ہیں اُنکے بڑھاتا میں ہوں | خوبیاں اُنکی زمانہ میں جتاتا میں ہوں

بے ہنر سو کسی پیرایہ میں یہاں جلوہ نما | عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یہاں نہ اُستاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار | اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سُنتے جاہل ہیں مگر فائدہ کی بات حکیم | مستفید ونکی طرح کرتے ہیں اُسکو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا | بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرنے پاتے نہیں گاہک پہ دکاندار ستم | جنس یہاں تُل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیل بوجہ نہیں آر کسی کی کھاتا | شُد مُنے گھوڑے پہ چابک نہیں اُٹھنے پاتا

اور بچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری | اور مزدور نکو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یہاں خرم و دلشاد ہیں سب | خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہلِ مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے | زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

خوب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت | ناپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیر میں خشت

جھوٹے سچ جو نکا نہیں بھیس بدلنے پاتے | دام بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے

جسطرف جائیے یہاں امن و امان کا ہے عمل | فتنہ سرحد سے میری جاتا ہے کترا کے نکل

جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرمان | ظلم کے ہاتھ میں واں حکم و عمل کی ہے عنان

دوست اللہ کے ہیں ٹھیرتے معتوب[1] وہاں | اور مسیحا زماں کے ہوتے ہیں مصلوب وہاں

---

[1] صحیح لفظ معاتب ہے مگر اردو میں بجائے معاتب کے معتوب بولا جاتا ہے جیسے بجائے مَعفو کے معاف
پس اردو میں یہی صحیح ہے اور یہی فصیح ۱۲

نیک فرزند ہیں ماں باپ کے جو حلقہ بگوش
رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں وہاں خانہ بدوش

مان رکھا ہی جنھیں قوم نے اولاد رسول
قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں وہ پیاسے مقتول

زکریا کی طرح جو ہیں گے خدا کے پیارے
اُنکے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں
اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی
عقل پُر کار قضا کار وہاں جا پہنچی

وہاں جو دیکھا تو ہے دو بھائیوں میں کچھ تکرار
اُدہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنی اصرار

رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز
اور اُدھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز

عقل نے دونو کی تقریر سُنی سرتاپا
کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُنکو دیا

خیر اک کان ہے تم جسکے ہو جوہر دونو
ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونو

صاف کہتی ہوں سُن اے رحم نہیں اسمیں خلاف
تو ہے اک قالب بے روح نہو گر انصاف

اور سُن اے عدل نہیں اسمیں تکلف سرمو
گر نہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونو تم خلق کی ہو مایۂ آرام و شکیب
گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو
اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ ہے تم دونو کو جھٹلاتی ہوں
لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

فرق اصلا نہیں تم دونو میں لڑتے کیوں ہو
جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شے ہے کہ ہے عدل کہیں نام اُس کا
کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اُس کا

رحم کہلائی جو مظلوم کی فریاد سنے
عدل ٹھہری جو سزا ظالم بے رحم کو دی

وہی شفقت ہے کہ استاد کی ہے مار کبھی
اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی

وہی شفقت ہے کہ ہے گھور کہیں پیار کہیں
وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے
اور کہیں قہر کے پردہ میں نہاں ہوتی ہے

کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے
اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے

یہی شفقت تھی کہ جب اس نے سمجھا یا انجام
شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام

یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بیجان پسر
ایک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر

یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے
یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی
اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اسکی

رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار
چار ناچار کیا یکجہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونو ملے ایسے کہ تھے گویا ایک
مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

مسدس موسومہ بہ ننگ خدمت

مرتبہ سنہ ۱۸۸۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یاد ایام کہ بیرنگ تھی تصویر جہاں
دست مشاطہ نہ تھا محرم زلف دوراں
گل خود رو سے لبا تھا چمن کون و مکاں
چار سو حسن خداداد کا سکہ تھا رواں
وضع عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خط قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفل معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر
تھے ہم اک صنعت بے چون و چرا کی تصویر
ملک فطرت میں نہ تھی سلطنت نفس شریر
طبع نے مملکت روح نہ کی تھی تسخیر
خواب غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم
مدد غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے استادِ ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے پائے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گذرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی
روبرو جسکے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جسمیں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
جی میں فرعون و ہاماں بننے کا ارمان نہ تھا

آ کے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلائے تھے

اِک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
روکھ کی چھانو کو ہم ظلِ ہما جانتے تھے
مل گیا جو۔ اُسے انعامِ خدا جانتے تھے
نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

طاعتِ نفسِ فرمایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گذران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار
طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہگذار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرفِ بلوریں درکار
اِنھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنی مدار

شرم آتی تھی نہ ٹل جو تکے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دیتے تھے کلّہ مربیاں کا مزا گندمِ خام
دستِ بازو کی بدولت تھا ہمیں عیشِ مدام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبروئے نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا سامان
نان جو کھلاتے تھے خوش ہوتے ہمارے مہمان
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلّف کا نشان
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زبان

طبلِ ظاہر کی نمائش کو نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ۔ نہ گرجتے تھے وہاں

آہ موسمِ گل میں تھا عجب لطفِ ہوا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا
آندھیوں نے کیئے انجام کو طوفاں برپا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں اے رَوِشیں تازہ بدلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچہ میں ڈھلنے والے
نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
روز اک سانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہے کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہموزن تھے سب خرد و کلاں
ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکارِ زماں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
شہر و ویرانہ و آبادی میں تھا ایک سماں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا
کوئی پلہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو
حاجتیں لیکے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہات نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلب کا اک اٹھا طوفاں
جس کے صدمہ سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں

اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں | بکریوں کو نہیں بھیڑیوں سے جا اماں

تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پہ لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستہ ہر باب بنایا تھا ہمیں | ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں | زینۂ سر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

در مخلوق کو ہم ملجا و ماوے سمجھے | طاعت خلق کو اعزاز کا تمغا سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے | ننگ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو

نوکری ٹھیری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی | پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی | جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصد تجارت تو گرہ میں نہیں دام | دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کار عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام | بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اُسکی ادا
زید کی راے جُدا عمرو کی تجویز جُدا
ایک افسر ہو تو حکم اُس کا کوئی لاے بجا
ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خُدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیم گناہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہو جنسے نباہ
کہیں غمّاز کا دھڑکا کہیں خوف بدخواہ
خدمت اک بار گران ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گذرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
بے سبب اُنپہ گذرتی ہیں جفائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر

غیرت آتی جنھیں وہ ٹھیرنے پاتے نہیں یہاں
جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں

لیجیے فرض کہ ہے زید بڑا منصبدار
اور عمرو اُسکا ہے اک بندۂ فرمانبردار
فرق دونو میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار
کہ یہ پیلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونو

قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونو

عمرو کرتا ہے اگر اُس کا ادب اور تعظیم
کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دل عمرو دو نیم
جا کے سُنتا ہے کہیں یہ بھی الفاظِ سقیم

باجی احمق اِسے کہنے کا اگر ہے دستور
ڈام فول اُسکو بھی سُننا کہیں پڑتا ہے ضرور

اُٹھتے ہیں حضرتِ اِنسان جو بڑائی میں قدم
گو وہ خود اِنسے ہیں کیا جانئے کس بات میں کم

مالکوں سے اُنھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
ذلتیں اُنکے لئے بھی ہیں مہیا ہر دم

ننگِ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گر اُن کو ملال
مدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یہاں عیشِ وصال

نوکری نے جو ہیں دکھلایا طلسمِ اقبال
چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جو یلے محال

گھر چھٹا یار چھٹے خویش و بیگانہ چھوٹا
ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

اُنکی گردن میں اگر قید کی رسی ہے پڑی
اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی

تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی
نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغِ بے پر کی طرح قیدیٔ صیاد ہیں ہم
کہئے پھر کونسی حجت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرط مشقت سے اگر وہ رنجور | مالک انکی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھ لیتے ہیں جب تک کہ ہوئے روگ سے دور | رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے انکو معذور

جانتے ہیں۔ یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بنجائے مشقت سے یہاں | نہیں امید کہ گذرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ یہی مزدوروں کا دنیا میں سماں | نہ ہوا ایک تو مل سکتی نہیں تعمیر مکاں

پھرتے ہیں پیٹ کی بھیان لئے دوہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپکے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں ماتحت ہوا یا افسر | ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
یہی گھر بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر | فی المثل ایک کرایہ کی دوکاں ہے نوکر

ہے جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
جب لگی بیٹھنے لی جاکے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا | کہ نہیں خدمت ہمجنس کا ان پر دھبا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو سہی گدھا | ایک کا ایک کوئی تابع کہیں دیکھا نہ سنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرف عقل سا نے بخشا

اس سے بڑھ کر نہیں دولت کی کوئی شان یہاں | کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضہ میں عناں

ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شبان　　نسل آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انسان

ناتواں بھیڑ ہے کوئی۔ کوئی تنومند بنے
ایک تو گرگ بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے بیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو　　ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو　　ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں سم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار　　اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے انکو سروکار　　جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی انکا دربار

گر تونگر ہیں تو دس بیس ہیں ان کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں انکا بلانے والا　　جبر سے کوئی نہیں انکا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اٹھانے والا　　سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا

اٹھ کے چلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی
الٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر　　اور کھل جائیں کمالات بھی انکے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب انکے پرکھ لیں جوہر　　کامیابی نہیں انکے لئے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحان کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انھیں علم و ہنر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
زور بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا

اور پھر اسپہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب اُنکو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سندیں چھپیاں پروانے دکھاتے در در
چاپلوسی سے دل ایک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در

تاکہ ذلت سے بسر کرنیکی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گذری ہو اک آدھ عرضی انکی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسیدم راہی

برسوں اسپر بھی گذر جاتے ہیں نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی ٹھیراتے ہیں گردشِ زمانہ کی بُرا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی فرماتے ہیں بس ہو کے مشیت سے خفا

وعدہ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر

پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ
اُس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا
اب فلک سے اُنھیں ملجا نہ زمیں پر ماوے
کام ہوتا کوئی اور اُنسے سرانجام نہیں
جسطرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

جنکے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال
یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
پاتے ہیں اُنکو عنایات سے شاہوں کی نہال
مال و دولت سے اُنھیں دیکھتے ہیں مالا مال
ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدرِ کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ دمساز تھے اُنسے ایام
بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُنکا مُدام
کہتے ہیں خدمتِ سلطان میں ہے اعزاز تمام
اِسلئے ہمنے لیا پیشۂ آبائے کرام
دیکھیں منہ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اِس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوّا
اپنی بھی چال گیا بھول بقول حکما
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا
وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہے کیا
اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکان
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں انھیں کے تھی عنان
اُنسے ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
طبل و نقارہ انھیں کا تھا انھیں کا تھا نشان
تھے وہی قائد لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُنسے ہر اک بات میں لیجاتی تھی
رخصت خلعت و جلوت انھیں دیجاتی تھی
جستجو انکی مہمات میں کی جاتی تھی
سب چھپی اور ڈھکی اُنسے کہی جاتی تھی
ڈھونڈ ڈھونڈ انکو بلاتے تھے حکومت کے لئے
خدمت انکے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے

انکی نسلونکی بھی کیا آج یہی ہے توقیر
کاش سوجھے انھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر
نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر
بھاگوان آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل
خاندانونکی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل
گردش دہر نے دی صورت احوال بدل
کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل
گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جنکو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں
چاہیے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں

ہو میسّر جنھیں وہ خدمتِ سرکار کریں
ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں
آبرو اسمیں ہے شان اسمیں ہے عزّت اسمیں
فخر اسمیں ہے شرف اسمیں شرافت اسمیں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آدابِ سیاحت سیکھیں
کشتکاری کریں آئینِ فلاحت سیکھیں
الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں
کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخرِ بنی اسرائیل
جسنے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل
ہمسخن جس سے ہوا طور پہ خود ربِّ جلیل
جسکے خود دست عصا میں تھی رسالت کی دلیل
گلہ بانی کے لئے پایا جو ایماے شعیب
بکریاں اُسنے چرانے میں نہ سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گذران سدا کرتے رہے
خدمتِ جنس سے نفرت حکما کرتے رہے
اولیا خلق کی طاعت سے اِبا کرتے رہے
حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے
اپنے ہاتھوں سے ہر اِک کام نبیڑا اپنا
کھینچکر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دُنیا میں گذر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دستِ نگر
ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے وہ مجمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہونگے حالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا
خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہنما
جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپکی خدمت میں دوتا
ایسے ہیں جنسے آزادہ روی کا دعوے

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

ترکیب بند بر مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ

مرتبہ سنہ ۱۸۸۰ء

جھٹ پٹے وقت گھر سے اک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لاکے روشن کردیا
تاکہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جنکی سدا
گر نکلکر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جنکی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہمنے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جنسے انکے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری ہے دھوم آفاق میں
دور سے آ آکے تمکو دیکھتے ہیں باکمال

قوم کو اس شان و شوکت سے تمھاری کیا ملا
دو جواب اسکا اگر رکھتے ہو یارائے مقال

سرنگوں ہے گروہ سب بزبانِ حال سے
ہو سکا ہمسے نہ کچھ۔ الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اسلئے گویا ہمیں
ہمکو جب دیکھیں خلفِ اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اِسنے بنایا مقبرہ اک شاندار
اور چھوڑا اُسنے اک ایوانِ عالی یادگار

ایک نے دُنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار

اک محبِ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بُنیاد ڈالی استوار

ہوگی عالم میں کبھی سرسبز یہ پچھلی مراد
یا وہ اگلوں کی امیدیں لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجوش ہے جو۔ بہتا رہیگا یہاں وہی
سب اُتر جائینگی جو چڑھی ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے

قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل
دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے

پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اُس کی مثال
سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے

غیر قوموں نے بھی کی ہے شرط ہمدردی ادا
یہ بنا جلتی ہو لتک کو بھی دل سے بھائی ہے

اور ہم بھی اے عزیزو مغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہے جہاں
جسکی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں

یہ نہالِ تازہ جسکو اِک زمینِ شور میں
خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درمان کا
لادوا ٹھیرا چکے جس کو اطبّائے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم
جنکے ہاتھوں سے سہے۔ دی قحط میں اُنکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو تم سے کچھ کرنے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آرہی ہے اِس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں
اور اصلِ کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سُراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُنکی یوں پھلینگی کوششیں
ایک دانہ سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

ہے عبث۔ گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

آئے کہدو۔ قوم میں ہیں جتنے عالی خانداں
یا تمھیں جاگیر و منصب پہ ہے نازِ بیکراں
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں
تم نہیں ہو رتبہ میں بڑھکر تغلق و تیمور سے
ننگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی ہنر
ورنہ وار اپنا کریگی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے اِس ہاتھ دو اِس ہاتھ لو

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوج کمال
میں تمھیں دیکھونگا جب گرتا ہو لونگا سنبھال

میں بناؤنگا تمھارے کام سب بگڑے ہوئے
میں سمجھاؤنگا زمانہ کی تمھیں سب چال ڈھال

جو کرینگے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہونگا انکی نسلوں کو نہال

قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں
چاہو دار الکفر سمجھو مجھکو یا دار الضلال

میں دکھا دونگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمھیں
سلطنت کا معتمد بننا بتاؤنگا تمھیں

قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کسقدر
بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤنگا تمھیں

تب یہ سمجھوگے کہ تم سوتے تھے کب کے بے خبر
دفعۃً جب خواب غفلت سے جگاؤنگا تمھیں

یاد ہوگا تمکو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب
پھر مخاطب "خیر امۃ" کا بناؤنگا تمھیں

مجھکو دیکھو گر مرے دعوے میں کچھ ہے اشتباہ
روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاض علم اے عین الحیات
ہے ہمارے بخت و دولت کی عیاں اب تیرہ ملت

ہو تو ہوا ہے روشنی تیری دلیل کارواں
چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات

قوم کے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا
جسطرح دین حنیفی سے مٹے لات و منات

چھوٹ جائینگے جہاں میں گو کہ تجھ جیسے نشاں
چھوٹ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

الغرض یا ہمت جماعت جب ترے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی امید گاہ
اے یگانوں اور بیگانوں کی یکساں خیر خواہ

دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھ کو آہ آہ

اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کوہِ سربلند
اپنی پونجی سے ہے آپ اپنے لئے پشت پناہ

خیر کی امید رکھنی ہے عبث اُس قوم سے
آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دعا اب اِهْدِ قَوْمِي اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْن

تعصب و انصاف

مرتبہ ۱۸۸۲ء

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا
جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا

اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی

اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے

اپنے انداز کے سودائی تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے

کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
سر دھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ

آپ خوبی پہ تھے اپنی مفتوں
خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں

جس جزیرے میں ہوئے تھے پیدا
اپنی لے دے کے وہی تھی دنیا

روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
آگہی طوس نہ بسطام کی تھی

تھے تماشائیِ دشتِ پُر خار | کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار

پیکے شور آب ہی ہوتے تھے بحال | کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زلال

نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا | نہ سُنی تھی کبھی بلبل کی صدا

سیر و انگوزہ کی بو پر تھے نثار | کہ نہ سونگھا تھا کبھی مُشکِ تتار

لہسن ۱۲ ہینگ ۱۲

پرنیاں جانتے تھے کمبل کو | کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو

اور بری تھی نہ سُنی بات کبھی | بدلے دیکھے تھے نہ دن رات کبھی

ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں | وہاں سماں ایک تھا ہر موسم میں

رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی | موسم آ کر نہ نکلتا تھا کبھی

ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار | وہاں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار

ایک رہتے تھے دن رات سدا | آسماں کو بھی نہ گردش اصلا

تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں | عقل تھی خُرد و کلاں کی یکساں

رکھتے تھے ایک سبق از بر یاد | مبتدی منتہی شاگرد اُستاد

وہاں نہ تھی حدِّ بلوغ صبیان | پیر بالغ تھے نہ بالغ تھے جوان

یہی بولی کا وہاں صرف نہ تھا | تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا

تھے خدا کے وہی ننانویں نام | اور لینا تھا وہاں نام حرام

اہلِ دولت کی نہ تھی عام عطا | ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا

تھا نہ پنداروں کو غیروں سے لگاؤ | ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ

دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ
فیصلے ہوتے تھے نِت یکطرفہ

راستی کا تھا نہ غیروں پہ گماں
حق نہ دائر تھا فریقین میں وہاں

تھی عناصر میں نہ واں آگ نہ باد
خلق سے ایک ہوئی مٹی تھی مراد

حس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا
واں کا حیوان بھی حساس نہ تھا

تھی درختوں کو نہ واں نشو و نما
چلنے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا

گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب
واں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

وہی مرغوب تھی واں پوشش تن
جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن

تھے پسندیدہ اُسی شان کے گھر
کی تھی حوّا نے جہاں عمر بسر

اُسی انداز کے چلتے تھے جہاز
کشتیِ نوح کا تھا جو انداز

تھی اُسی نسخہ پہ موقوف شفا
جو تھا بقراط نے ترکیب دیا

ٹوٹ سکتی تھی نہ واں راہ قدیم
تھا اَمِٹ لکھ گئے جو اگلے حکیم

واں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا
واں نہ پانی تھا مرکب نہ ہوا

گھوڑے دوڑاتے تھے اگلوں نے جہاں
وہی جولانگہ مردم تھی وہاں

کی تھی جس جا قُدَما نے منزل
بڑھنے پاتے تھے نہ واں سے محمل

علم و فن تھے نئے سارے مردود
غیب کے واں تھے خزانے محدود

نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور
نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور

سب کی گدّی پہ لگی تھیں آنکھیں
کچھ نہ آگے نظر آتا تھا اُنھیں

پیچھے گرد چھٹتے تھے ریگستاں — سوجھتا تھا انھیں وہ آبِ واں
آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب — وہ سراسر نظر آتا تھا سراب
روشنی رکھتی اُن سے اَن بَن — جیسے خفاش سے سورج کی کرن
تھا تکبر اپنی پہ ایک ایک فقیر — دل پہ ہر نقش تھا پتھّر کی لکیر
رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں — برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں
آگ وہاں بجھ کے سلگتی کم تھی — اور سُلگتی تھی تو لگتی کم تھی
شان میں وہاں نہ سنا تھا حق کی — کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِی شَان کبھی
وضع میں تھا نہ تغیّر جو میں — جائے دل سنگ تھا ہر پہلو میں
سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرماں — مُہر جیسی دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں
بات مشکل تھی دلوں سے جانی — نقش تھے دل کے خطِ پیشانی
غیر کی بات خطا اپنی صواب — سب سوالوں کا تھا وہاں ایک جواب
جھگڑے گر بحث کو جاتے تھے کہیں — فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں
تھی وہاں حق کی یہی تفتیش — مُنھ سے جو اپنے نکل جائے سخن
اسی عالم میں پلے تھے ہم بھی — اسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہم پر — ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر
حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احساں — اُن سے محروم ہے نوعِ انساں

سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل
اب نہیں کوئی ترقی کا محل

اپنے حصے میں ہے ساری تہذیب
خانہ پرور ہے ہماری تہذیب

جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال
خردہ گیری کی نہیں اُنہیں مجال

ہے بری عیب سے خوراک اپنی
پاک دھبے سے ہے پوشاک اپنی

رسم اپنی نہیں بیجا کوئی
طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی

آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق
ہم سے سیکھے کوئی حسنِ اخلاق

سب سے عالی ہیں خیالات اپنے
سب مسلّم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر
وہاں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال
تھا تصور بھی خلاف اُنکے محال

جس کو اک بار برا جان لیا
عمر بھر پھر اُسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل
وہی دعوی تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی
ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی
رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے
اور الجھ جاتے تھے سلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا
جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان
جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذاتِ باری کو نہیں جیسے زوال
رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن — ہم نہ ہٹتے تھے جگہہ سے لیکن

حسن ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی — غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام — دل میں اُترے ہوئے شکلِ الہام

دیکھتے سُنتے تھے جو اُس کے خلاف — نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف

تھی نئی بات سے یہانتک نفرت — ہوتی تھی سُننے سے پہلے وحشت

بُو نئی شے کی جو پا لیتے تھے — ناک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبول — تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی — ہوش ہمنے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا — کوئی حرف اُسمیں جز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی — تھا وہی فلسفہ اور علم وہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس — اور سب سوختنی بے وسواس

تھی زبان اپنی زبانِ پاکاں — ما سوا اہل جہنم کی زباں

جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش — تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش

کان میں پڑتی تھی جب بات نئی — غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی

خرق عادت بھی اگر دیکھتے تھے — آنکھ اُٹھا کر نہ اُدھر دیکھتے تھے

نئی آواز سے چونک اُٹھتے تھے — اوپری شکل پہ بھونک اُٹھتے تھے

ساری دُنیا سے نرالا تھا مذاق — ہم کو تھا زہر بھی اپنا تریاق

اپنی حجت کو قوی جانتے تھے — بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے
تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق — جو پڑھا تھا وہی ازبر تھا سبق
خصم سے بحث اگر کرتے تھے — حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے
کاٹ دی خصم نے جو بات کہی — بحث و تکرار کی غایت تھی یہی
خصم کی بات کو کرنا تسلیم — اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم
حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا — نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا
دشمنی کے یہی معنے تھے کہ جو — ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو
ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور — دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور
گر خلاف اپنے کوئی بول اٹھا — اس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا
ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں — کوئی مردود تھا اور کوئی لعین
غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر — باغِ فردوس تھا اپنی جاگیر
اور تھے حرص و ہوا کے بندے — ہم تھے مخصوص خدا کے بندے
بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر — وقف تھی رحمتِ باری ہم پر
نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ — اور مغفور تھے سب اپنے گناہ
عین تحقیق تھی اپنی تقلید — شرک اپنا تھا سراسر توحید
تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر — پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر
سب جا گو تھے ہمارے ملکوت — تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت

حوض کوثر پہ تھا قبضہ اپنا — سلسبیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا
اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر — اپنے اندھو نکو بھی کہتے تھے بصیر
رکھتے جنت میں نہ تھے ہم ساجھی — غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی
تھے قضا اور قدر کے مالک — ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیتوں میں رہے جب تک چور — کھینچتے یونہیں رہے آپ کو دور
نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند — تھے ہم ایک گنبدِ تاریک میں بند
دی جب انصاف نے دستک آکر — حجرۂ تنگ سے نکلے باہر
جلوہ علم و یقیں کو دیکھا — آسماں اور زمیں کو دیکھا
رخ حقیقت نے دکھایا ہر سو — چاندنا سا نظر آیا ہر سو
کی تعصب سے جو میں قطع نظر — ہوا ایک اور ہی عالم میں گذر
علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب — دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب
جھوٹ سے سچ نظر آتا تھا الگ — دودھ پانی نظر آتا تھا الگ
نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے — قدرداں غیر تھے اغیاروں کے
دور بیگانہ نہ تھا خویش سے واں — خویش اول تھا نہ درویش سے واں
عیب کہتے تھے اپنے خوش خوش — دوغ واں اپنی بھی ہوتی تھی ترش
تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں — گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو واں

حق کی پہچان جز اخلاص نہ تھی
حق کی کوشش کوئی وہاں خاص نہ تھی

ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر
کبھی ایمان کا نہ ہوتا تھا ضرر

صلح کل لمپ جلاتے تھے وہاں
اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں

نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر
آپ کو نوع بشر سے بہتر

بھائی انساں تھے سب انسانوں کے
میت ہندو تھے مسلمانوں کے

ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر
ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر

اشعری معتزلی - لامذہب
ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار
کفر وہاں بس یہی پایا تھا قرار

ہٹ سے باز آتے نہ تھے وہ زنہار
تھے وہ بوجہل کی امت میں شمار

پاؤں وہاں جن کے پھسل جاتے تھے
خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے

ٹیڑھ وہاں دل کی نکل سکتی تھی
رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی

دیکھ حجت کو قوی پیر و جواں
بند ہو جاتے تھے بچوں سے وہاں

حق کی آواز جہاں آتی تھی
مت کروروں کی بدل جاتی تھی

پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم
جز نبی کوئی نہ تھا وہاں معصوم

غور ہر بات میں کی جاتی تھی
مشورت عقل سے لی جاتی تھی

تھی وہاں عقل معطل نہ حواس
سب قوی کام میں تھے بے وسواس

آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے
کان سننے سے نہ باز آتے تھے

سوجھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز
جا پہنچتی تھی اُسے وہاں حسِ تمیز

سُنتے تھے بات نرالی جس دم
کَستے تھے اُس کو محک پر باہم

کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے
کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے

پھول ہر خار سے چُن لیتے تھے
بھوگ بچوں کی بھی سُن لیتے تھے

عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا
ایک اللہ کی عادت کے سوا

عیب جس رسم میں پا لیتے تھے
دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے

اُجلی پوشاک جو مِل جاتی تھی
مَل گجے کپڑوں سے شرم آتی تھی

دیکھ لی جس نے کہ شمع کافور
تھا وہ چیکٹ بھری دیوٹ سے نفور

ہاتھ آ جاتا تھا جب مال نیا
پھینک سب دیتے تھے عطار دوا

گر کے ہو جاتے تھے گھر جن کے کھنڈر
گھر کی واجب تھی مرمت اُن پر

نت نئی ریت نکلتی تھی وہاں
رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں

قافلے چلتے تھے دن رات تمام
کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام

قبلہ تھا علمِ الٰہی اُن کا
تھا سفر نا تمنا ہی اُن کا

تشنۂ علم تھے وہاں سب ایسے
پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے

نہ مجسطی پہ قناعت تھی اُنھیں
نہ اشارات کفایت تھی اُنھیں

عرشِ تحقیق تھا استھان اُن کا
مصر تیرتھ تھا نہ یونان اُن کا

دیکھا جب عالمِ انصاف کا رنگ
ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ

خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشین … اُن پہ ہم کرنے لگے خود نفریں
عیب اپنے نظر آنے لگے … آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے
ہوئی وہ بزم خیالی برہم … تھا طلسمات کا گویا عالم
جسکو سمجھے تھے غلط ہم دریا … اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا
تھا کیا جسکو یقیں چشمہ آب … وہ نمائش بھی حقیقت میں سراب
قصر و ایوان کا گماں تھا جن پہ … نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر
تھا سبک دانہ خردل سے سوا … کوہ الوند جسے سمجھا تھا
جب ہر اک قوم کا ساماں دیکھا … ہم نے وہاں آپکو عریاں دیکھا
نکلے سب ہیچ خیالات اپنے … ٹھیرے سب پوچ کمالات اپنے
آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا … نکلا جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا
چیونٹیاں آئیں جو پربت کی نظر … پھر اُٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر
پھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں … تھا وہی اُسکے تصور میں جہاں
پر وہ گولر سے جو باہر آیا … اپنی ہستی سے بہت شرمایا
پر وہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا … حسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا
مُنہ جب آئینہ میں دیکھا جا کر … ہم کو اک شکل مہیب آئی نظر
ہوا حیرت سے دگرگوں احوال … ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال
دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب … چھپ گئے غیر کی آنکھوں سے عیوب

یک قلم ہو گئی نخوت کافور — بن گیا رشک ہمارا وہ غرور

ناخن فکر نے کی دل میں خراش — عیب جوئیوں کی لگے کرنے تلاش

جن کے طعنوں کی تھی ہم پر بھرمار — ان کے ہم دل سے ہوئے شکر گزار

ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز — چل رہے تیر ہیں جنکے دل دوز

انکا غصہ ہے سراسر رحمت — زہر میں ان کے بھرا ہے امرت

انھیں بندوں کے ہیں ایماں سچے — یہی کافر ہیں مسلماں سچے

قائم انصاف کا جب ہوگا نشاں — مانے جائینگے انھیں کے احساں

بے خبر کب کے پڑے سوتے تھے — ان کی آوازے سے ہم چونک اٹھے

انکے طعنوں نے جگایا ہمکو — زہر نے ان کے جلایا ہمکو

یار و اغیار کے عیب و ہنر — آشکارا ہوئے اک اک ہم پر

حق کے جلوے نظر آئے ہر جا — اہل باطل میں بھی اک پائی ادا

ملا ہر راہ میں باطل کا سراغ — اہل حق کو بھی نہ پایا بے داغ

اہل تقوے کی ریائیں دیکھیں — اہل حکمت کی خطائیں دیکھیں

زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں — خوبیاں پائیں گنہگاروں میں

کلب کی پاک سرشتی دیکھی — پائے طاؤس کی زشتی دیکھی

عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے — خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے

ہنر اغیار میں پائے اکثر — عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفترِ علم کو ابتر پایا — علم کو جہل سے بدتر پایا
مجلسیں غیبت و بہتاں سے پُر — صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر
منقطع بھائی کی بھائی سے امید — اپنا بیگانہ لہو سب کے سفید
پاک بندوں کی زباں پر دشنام — نہ ثقات اس سے بری اور نہ کرام
فقرا مکر و ریا کے پتلے — اغنیا حرص و ہوا کے پتلے
شیخ عیار تو زاہد پُرفن — مولوی عقل کے سارے دشمن
پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست — قوم کے دوست مگر ناداں دوست
حالت القصہ جو دیکھی اپنی — کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی
سارے آوے کو ٹٹولا جاکر — کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر
پایا اک دین کا محکم قانون — وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون
دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار — جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار
گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل — آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گذرے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

کلمۃ الحق

مرتبہ ۱۸۸۳ء

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو — اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو

ہوتے کوئی تجھ سی کڑوی نہ ہوگی — حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی
ہے ناگواری پہچان تیری — الحق ہُر پہچان تیری
یاروں کو کرتی اغیار تو ہے — چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے
رشتے ہزاروں تو نے توڑائے — باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے
سقراط کو زہر تو نے دلایا — شبیر کو قتل تو نے کرایا
بے جرم مسموم تو نے کرائے — سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے
رخنے عرب میں تو نے نکالے — بدر و اُحد میں رن تو نے ڈالے
موسیٰ کو مدین تو نے بھگایا — احمدؐ سے مکہ تو نے چھڑایا
تو نے صلہ میں بخشے ہیں اکثر — سولی کے اورنگ کانٹوں کے افسر
مظلوم کتنے تیرے سہارے — ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے
خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے — رنگیں لہو میں ہیں ہاتھ تیرے
تیری جلو میں رسوائیاں ہیں — سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں
تدبیر ہے تو ناکامیوں کی — تقریب ہے تو بدنامیوں کی
تو آشتی کی رہتی ہے دشمن — تو مصلحت سے رکھتی ہے اَن بن
قطع و برش ہے تاثیر تیری — رہتی ہے ننگی شمشیر تیری
ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر — دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر
پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں — آتی ہے دنیا اک زلزلے میں

حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل ‏— ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
اُٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا ‏— ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
عبرانیوں کا اُڑتا ہے پرچم ‏— صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم
ہوتے ہیں اغیار احمد کے ساتھی ‏— بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی اے تیغ بُرّاں ‏— تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت انگیں مضموں ہیں تیرے ‏— نت مصلحت پر پشیماں ہیں تیرے
گُن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں ‏— وہ تیری دُھن میں آخر ہوئے ہیں
اُمڈا جہاں سے سیلاب تیرا ‏— پھر وہاں نہ کشتی ٹھہرے نہ بیڑا
اُٹھتی ہیں دل سے جبھی موجیں ‏— ہوتی ہیں نازل وھاں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت اُن کو سہارے ‏— کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم اُنکی مشکل کرتا ہے آساں ‏— دل اُن سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں ‏— ہے روز روشن اُنکی نظر میں
زور اُن پہ تیرے ہیں آشکارا ‏— مٹھی میں اُن کی عالم ہے سارا
عظمت جہاں ہے تیری سمائی ‏— پربت وہاں ہے نظروں میں رائی
شاہوں سے گردن جھکتی نہیں وھاں ‏— طوفاں میں کشتی رُکتی نہیں وھاں

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں — منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں
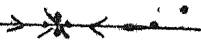
تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے — ہر دل میں چبھتی تیری ادا ہے

تو نے جہاں دی آواز جا کر — لاکھوں سر اٹھے تیری صدا پر

ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری — بڑھتی ہے کم کم آواز تیری

پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں — جس طرح آتش لگتی ہے بن میں

بنتے ہیں دشمن انصار تیرے — ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے

پطرس نے چھوڑے یار آشنا سب — یزداں پہ دیکھی تیری ادا جب

ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ — ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا

آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم — ہیں گڈگڑاتے دل انکے ہر دم

جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری — ضرب ان پہ تیری پڑتی ہے پوری

جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر — گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر

تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے — پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے

گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں — پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں

بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ — جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ

دل دوز ہیں سب تیری ادائیں — کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں

زہر ہلاہل برسوں پئیں جب — بیمار تیرے پائیں شفا تب

دیتی ہے اول تو زخم کاری — مرہم کی آخر آتی ہے باری

کل ہے مسرت ہے آج غم تو ۔۔۔ دیتی ہے امرت کہتی ہے سم تو
ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت ۔۔۔ تو جھوٹ پر واں کرتی ہے لعنت
جس جا تعصب ہے عین ایمان ۔۔۔ انصاف کا غل کرتی ہے تو وھاں
رسم سلف پر مرتے جہاں ہیں ۔۔۔ رسموں پہ حملے تیرے وہاں ہیں
تقلید جس جا ہے طوق گردن ۔۔۔ تقلیدیوں سے ہے تری اَن بَن
کرتی ہے وھاں تو واعظ کو رسوا ۔۔۔ ہے وحی منزل قول اُس کا جس جا
وھاں مفتیوں پر ہیں ترے دھاوے ۔۔۔ ہیں مثل قرآں جس جا فتاوے
پُجتی ہیں قبریں جب اولیا کی ۔۔۔ تو ہے دُہائی دیتی خدا کی
جس ملک میں ہے جاری غلامی ۔۔۔ ہوتی ہے تو وھاں بَردوں کی حامی
غل بھیڑیوں کا پڑتا جہاں ہے ۔۔۔ تو بکریوں کی وھاں پاسباں ہے
زہر اُس عسل کو تو ہے بتاتی ۔۔۔ جس میں حلاوت ہے سب کو آتی
اُس نیش میں تو کہتی شفا ہے ۔۔۔ نیش اجل کا جسمیں مزا ہے
ہندی میں تیری تازی کی بو ہے ۔۔۔ مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے
جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا ۔۔۔ تو چھیڑتی ہے وھاں ذکر دریا
ہر سو جہاں ہے طغیان باراں ۔۔۔ شور العطش کا کرتی ہے تو وھاں
سانپوں کا خطرہ پاتی جہاں ہے ۔۔۔ اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے
طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر ۔۔۔ بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جا کر

ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے | کہتی ہے جا کر تو کارواں سے
بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی | اُس دم خزاں سے تو ہے ڈراتی
پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو | آگ آگ کا غل کرتی ہے وہاں تو
جب دیکھتی ہے قومیں بگڑتی | ہے آگ میں تیل قوموں کی پڑتی
کرتی ہے ظاہر اُن کی خطائیں | دیتی ہے اُن کو بیہودہ رائیں
گہ منعموں پر تو ہے برستی | گہ جھاڑتی ہے مفلس کی ہستی
دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو | کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو
للکارتی ہے تو کاہلوں کو | پھٹکارتی ہے تو جاہلوں کو
جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل | ترشی ہے تیری طینت میں داخل
بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت | لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت
یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے | عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
احکام تیرے ٹلتے رہے ہیں | تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں
پہنچایا جس نے پیغام تیرا | جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
کتنوں نے جانا ساحر نبیؐ کو | کتنوں نے مانا کافر علیؓ کو
طوفاں اُٹھائے اہل ہدیٰ پر | بہتان باندھے زین العبا پر
نعماں کو دی بدعت سے نسبت | کی شافعی پر برپا قیامت
مالک پہ لائے آفت جفا جو | یہانتک کہ اُکھڑا مفصل سے بازو

کی ابن حنبل کی یہ مدارا
نکلے ائمۂ اکثر وطن سے
کتنوں کی باندھیں ذلت سے مشکیں
مرتد بتایا اہلِ یقیں کو

چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا
خالی ہوا رے ابن حسن سے
کتنوں کے رسّی ڈالی گلے میں
ٹھہرایا زندیق اربابِ دیں کو

اے کلمۂ حق تیری بدولت
ٹھیرے جہاں میں بیگانے سب سے
دُنیا نے اُن پر گو ظلم توڑا
ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری
کانوں کو تو ہے گو ناگوارا
جو حرفِ حق سے بھاگے بگڑ کر
حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں
ہوتا نہ ہرگز جگ میں اُجالا

مُردوں پہ گذری کیا کیا مصیبت
تجہیز ہوئے وہ دیوانے جب سے
دامن اُنھوں نے تیرا نہ چھوڑا
سُننے میں کڑوی کہنے میں میٹھی
مُنہہ سے نکلنا تیرا ہے پیارا
حق اُن کو لایا گردن پکڑ کر
بِنتِ حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں
حق کا نہ ہوتا گر بول بالا

اے راست گوئی اے ابرِ رحمت
گر تو نہ ہوتی یہاں سایہ افگن
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے

ہے اس چمن میں سب تیری برکت
برباد ہوتا کب کا یہ گلشن
آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے

باغِ جہاں کو چھانٹا ہے تو نے | اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے

تو بے کسوں کی یاور رہی ہے | تو گم رہوں کی رہبر رہی ہے

جن بستیوں میں تو چھائی | کھیتی انھیں کی یہاں لہلہائی

بند اپنی جس جا تو نے زباں کی | نکبت نے منزل آکر وہاں کی

رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا | یوناں میں ہوتا ہر سو اندھیرا

گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی | مصری نہ ہوتے عالم میں نامی

سریا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا | سایہ اگر وہاں تیرا نہ پڑتا

جنبش نہ ہوتی گر ترے لب کو | قبلہ نہ کرتے خاکِ عرب کو

ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت | سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت

مشرق میں جب تھی تیری حکومت | چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت

جب دور تیرا مغرب میں آیا | مغرب کو تو نے مشرق بنایا

کھلتے رہے ہیں گل ترے ہر سو | مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو

گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے | پر تیری دارو صحت فزا ہے

سر بول تیرا جوشِ غضب میں | ہے حق کی آواز راہِ طلب میں

گو علم کی تو ہے زندگانی | پر جہل تیرا دشمن ہے جانی

جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں | ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں

لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر | اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر

ملکوں نے تجھ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھ سے بدلے لئے ہیں

اے کلمۂ حق اے سرّ یزداں
جس وقت ہو تو پردے سے عریاں

ہوں تیرے جسدم انصار تھوڑے
دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے

عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

مناظرۂ واعظ و شاعر

مرتبہ سنہ ۱۸۸۳ع

کل جو میں نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا
دل کو اک وقفہ غم دنیا سے فرصت کا ملا

کی تصور نے وہیں اک بزم رنگیں آشکار
مجلس ارباب معنی جسکو کہنا ہے بجا

گرم تھا وہاں ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر
سرخرو گلگونۂ حجت سے تھا ہر مدعا

شمع استدلال سے روشن تھا فانوس خیال
چار سو ہنگامہ آرا تھی لِمَ و لا کی صدا

تھے فراہم جسقدر اس بزم میں اہل کمال
تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو ادّعا

مولوی کہتے تھے غیر از علم دیں سب ہیچ ہے
فلسفی کہتا تھا ہر فن کی ہے حکمت پر بنا

صوفی صافی ادھر کچھ کہہ رہا تھا زیر لب
وعظ معجب ادھر کچھ بک رہا تھا برملا

خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سبکی صدا

شاعرِ مغرور بھی اک سمت خنداں زیرِ لب
جا کے پہنچا جب وہاں تک دورِ صہبائے سخن
دعوے فضل و براعت اسکو زیبا ہے یہاں
ہے تصرف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال
سہروی میں ہمکو چشم و گوش پر تکیہ نہیں
صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے
اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائیں ہم
خاک کو چرخِ بریں دیں اگر ترجیح ہم
وصفِ خوباں سے ہم گر سن پائے سالک ایکبار
گر کریں ہم گلرخوں کی بیوفائی کا بیاں
کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق
ہیں ہماری مدح کے پیر و جوان امیدوار
گرمیِ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے
فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے
کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں خلل
دی نہیں گو یا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ
خود ستائی جو کسیکو جز خدا پھبتی نہیں

سن ہا تھا لاف اہلِ فضل و خاموش تھا
دفعۃً مجلس سے اٹھا اور ہوا یوں خود ستا
جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا
کچھ نہیں معلوم جسکی ابتدا اور انتہا
ہیں ہمارے بال و پر اندیشہ و فکر رسا
پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا
خاطرِ دشمن میں اسکا نقشِ الفت دیں بٹھا
ماند ہو ذرے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا
ہو نہ ہرگز نتیجۂ عشق مجازی سے رہا
ہو نہ بلبل پھر چمن میں وے گل پر مبتلا
قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا
اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا
بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا
ہم جہاں چلتے ہیں واں مسدود ہے راہِ خطا
جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونقِ عبارت کو سوا
جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا
ہو کے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں تک قبول | گالیاں دے دے کے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

جب بالاخوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں | مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیاں سرا
شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف | پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور اتنا ادعا
امت برحق کے عالم جو ہیں از روئے خبر | وارث علم نبی قائم مقام انبیا
کیا ادب جاتا رہا انکا بھی تجکو اے سفیہ | بر سر مجلس ہے تو جو اس طرح بنکارتا
گو نہیں گنتی میں اہل علم کی یہ خاکسار | پر سنے جاتے نہیں ہیں تیرے دعوے ناروا
ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل | ہزل و سخریت کجا بزم خردمنداں کجا
علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں دفتر کھلے | کس نے دی ہے تجکو وہاں اس ہرزہ گوئی کی صلا
شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآں میں اسے | کیوں خلاف شان ختم المرسلیں کہتا خدا
شان میں بالعلم یزری[1] جسکی آیا ہے صریح | فخر ہے اس شعر پہ تجکو یہ اے شر الورے
چاہیے انفاس اہل الذکر[2] سے ہو مستفید | ہو نہ جسکو علم سنت اور کتاب اللہ کا
خود ہو تم بے علم اور صحبت ہے اہل علم کی | بھاگتے ہو جیسے شیطاں ہے اذاں سے بھاگتا
ہے یہی باعث کہ بک اٹھتے ہو تم بے اختیار | جو تمھارے منہ میں آتا ہے سزا اور ناسزا
رس بان یاوہ گو کو ابھی کیا سمجھا ہے تو | جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا
بے حقیقت ہیں ترے سامنے خیالات بلند | ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

۱ عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ الشعر یُزری بالعلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو ۱۲ ۔ ۲ اہل الذکر سے مراد علمائے دین ہیں ۱۲

ہے جہاں خامہ کو تیری خدمتِ مشاطگی
صورت اک چھڑی کی ہو وہاں جو جنبش سے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیری کمر
رات سے تاریک تر ہے جو صنم میں فن ترا

شش جہت میں تو کرے برپا قیامت سات بار
یار اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغ چوبیں کی ہو گر برش بیاں کرنی تجھے
ہے تنزل گر اسے ٹھہرا تو تیغِ قضا

ہو جہاں لکھنی تجھے اسپ گلی کی جست و خیز
اک ترارے میں اسے پہنچا دے تو فوق السما

تو ہو امدح و ثنا میں جسکی سرگرم غلو
اور الٹا خوبیوں پر اسکی پردہ پڑ گیا

پہلے درجہ کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو
جم کو اسکے در کا درباں اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بیچارے کس گنتی میں ہیں
تنگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھے تو اک گربۂ مسکیں کو سارا منزلت
اور کہے اک لعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگِ گیاہ
اسمیں ثابت کرکے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

باد خوانوں سے سوا ہو تجھکو فکرِ تہنیت
خواب میں سن پائے تو گر کوسِ شادی کی صدا

ہند میں غل ڈالدے تو نالہائے شوق سے
چین میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی
کان میں پڑ جائے تیرے ایک چھوٹی واہ وا

مذہبِ شاعر میں جسکا دین باطل نام ہے
راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا

سر بسر اقوال ہیں تیرے کچھ اور افعال کچھ
ہے زبانِ گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا

شان میں آیا ہے جنکی قول مالا یفعلون[1]
چشم بد دور آپکے ہادی ہیں اور مقتدا

[1] قرآن میں شعرائے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انہم یقولون ما لا یفعلون یعنے وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۱۲

ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں
جن پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جاکر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابعِ فرمانِ حرص
کام تجھکو کچھ نہیں جز مدح و قدحِ اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جسکی کرتا ہے غلو
گالیاں دیتا ہی تو اکثر اُنھیں کو برملا

جیسے دروازوں سے پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دیکر دعا

ہر دعا میں ہے مقدر شرطِ اِن اَعْطَیْتَنِیْ
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہی مزا

پردۂ عرضِ ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھسے بہتر ہیں گدا

زہر دل کا جبکہ واعظ نے لیا سارا اُگل
اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش میں رہا

ہنسکے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیرے دہن میں یا سنانِ جانگزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاک پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سب شکار
آڑ میں ٹٹی کی لاکھوں و ہزاروں برملا

حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خون
شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

ہم نے ان آنکھوں سے اے واعظ لباسِ وعظ میں
جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما

ضبط ہی اک تمکو کہدوں گر بُرا مانو نہ تم
آپ ہو بیمار اوروں کو دیتے ہو دوا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپکو۔ اچھونکی کیا پہچان ہے
بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
ترکِ اولی پہ فضیحت جس قدر کرتا ہے تو
ہے فقط دوزخ تیری سرکار میں جنت نہیں
عاصیونکی مغفرت جنسے نکلتی ہے صریح
گر خدا بھی واعظو ہوتا تمھیں سا سخت گیر
کرم بازاری ہی میں اپنی بس سمجھے ہو تم
چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی نہیں
آپ ان باتونکو اک بہتان سمجھینگے مگر
جو کہوں میں اسکو باور کیجئے نہیں اسمیں خلاف
یہ بھی کوئی جھوٹ ہے۔ ہم جسکے خود ہیں معترف
دعوتونمیں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو
یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے چنے
مدرسے کوشش تیرے گوشے ہیں شہر شہر
پر یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لاگت لگی
مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک

جنمیں حق داخل ہے وہ اور انکو نہیں کہتے برا
منہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا
قتلِ انسان پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا
چوک جس سے ہو گئی کچھ۔ پھر نہیں تو بخشتا
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو جی میں خفا
اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا
لوگ ہوں گمراہ۔ اور انکے بنو تم رہنما
ہیں اٹھانا چاہتے جسطرح امراض اور وبا
سو بھی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا
شاعروں کے کذب سے بدتر ہے وعظ کی ریا
جھوٹ وہ ہے جو ہو پردہ میں تقدس کے چھپا
ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تو نے ادا
دین قائم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خدا
مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا
اس سے دہ چند آپکے دیوان خانہ میں لگا
نیکیاں تیری ہیں جیسی پر خطر روزِ جزا

لہ یعنی علما کی دعوت میں لیسے ایسے تکلفات کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار لوگ ابھی موجود ہیں اور دین قائم ہے ۱۲

ہے یقین اُتنا ہی ہوگا اپنے دل میں تو حقیر
جسقدر مانا ہے زید و عمرو نے تجھکو بڑا

کر دیا سوا تری تزویر نے تذکیر کو
ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا

لطف ہے گو تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب
سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گر جہنم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو
گاہ حوروں پہ لبھا کر مانگتا ہے رونما

گونجتا منبر پہ ہے یوں بیٹھ کر گویا کہ آپ
آسمان سے لیکے اترے ہیں ابھی حکمِ خدا

ہاتھ میں ہے تیرے گویا نار و جنت کی کلید
جسنے پوجا[۱] تجھکو وہ فردوس میں داخل کیا

نیکیاں برباد ہیں ساری تری خدمت بغیر
فرقۂ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا

اپنی اک امت الگ سب سے بنانے کے لئے
تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تو نے جا بجا

تیرے گھر سے ہیں مسلمانوں میں ہے جبتک نزاع
اختلافِ امت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا

جسطرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں عدالت میں وکیل
مانگتا ہے تو یونہیں باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
کشتی اسلام کا پھر کیوں نہ ہو تو ناخدا

شاعروں کو بس اسی منہ سے گدا کہتا ہے تو
اے اسیرِ دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
ورنہ ہم بھی یوں تو کہہ اٹھتے ہیں بعضوں کو گدا

شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کرتے ہیں مدحِ اغنیا

طعن کچھ بیجا نہیں رکھتے ہیں اک عذر ہم
غور کرنا عذر پہ ہے شیوۂ اہلِ صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

[۱] پوجنا محاورہ میں نذر کرنے کو کہتے ہیں ۱۲

اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم
وعظ ہیں دیتے ہو آخر داستاں کی جا تم
مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
پھول پھل سے سرکو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
سوسن و نسرین و گل میں جب وفا پاتے نہیں
پر ہم اسکے مدح میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال
اِس سے بڑھکر ہجو ہوسکتی ہی کیا انسان کی
عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیروانِ عہد انھیں
حاتمِ وقت انکو ٹھہراتے ہیں جنکا بذل و جود
زیرکی میں انکو کہتے ہیں ارسطوے زماں
کہتے ہیں کس شد و مد سے انکو ہم بیدار مغز
جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
انہیں ثابت کرتے ہیں ہمدردیِ نوعِ بشر
حامیِ اسلام دیتے ہیں خطاب انکو کہ جو
یادِ خلق انکو کہتے ہیں جنھیں ہے وعظ و
مدح کیجاتی ہی یہاں اکثر اسی انداز سے
قطبِ دوراں ان ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم

کرتے ہیں ہوتا ہی جو کچھہ مصلحت کا مقتضا
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا
جب تنِ ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا
ایک طرہ اسمیں آزادی کا دینے میں لگا
وصفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا
لکھیں اعمی کو بصیر اور راہزن کو رہنما
ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہیں جنسے ادا
اسلئے ہے تاکہ حاصل حاکموں کی ہو رضا
ہمنشیں احمق بناتے ہیں جنھیں صبح و مسا
جو نہیں وقت کا آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا
انکی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا
آپکو گنتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماورا
کرتے ہیں سوا جلن اپنے نام اسلام کا
تم کسیکے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا
شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا
آپکو بھی جو سکھائیں حق تو ہوں مکر و دغا

ان فنون سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذو الفنون زماں
آپ جھٹ اسکو کہے جو مدح وہ ہجو غیر ہے
چبھتی اور دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب
دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ پیر
پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے
ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
کہیئے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
ہیں ہنسی کی اور باتیں کیجئے انصاف اگر
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے سب یہ حسن ظن
قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی
شعر اگر کہیئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے
اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر
اس گئے گذرے زمانہ میں بھی یہ فن شریف
آپ لوگوں کی تو اسمیں بس کسی کی ہے مجال
روز اک سونیکی چڑیا گر نہ ہاتھ آئی نہ آئے
کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو
خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک

بیٹھکر ممبر پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اڑا
نام اسکا مدح ہی تو ہجو ہے پھر چیز کیا
اور لگے ہنسنے سب شاعر انے دیکھ کر یہ ماجرا
چھیڑکر اک بے ادب کو مفت میں سودا ہوا
ہنسکے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا
ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے برا
آپ نے دیوان تب کیوں نہیں ابتک کیا
ہے غزل میں آپکی دیوانِ حافظ کا مزا
ورنہ میں کیا اور مرا مجموعہ اشعار کیا
شاعری اور نکتہ پردازی میں ہے اب کیا دھرا
سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگدست اور بے نوا
وعظ میں شاگرد ہو جاؤں کسی استاد کا
کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا
پر ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائیگا
ہم گنہگاروں کا پیشہ ایسا نہیں ہے کچھ برا
قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل پڑ گیا
اور دی پہلو سے دل نے کانمیں پیر کے صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجئے ہر بات سے
کہ گئے ہیں اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا

جشن جوبلی

مرتبہ ۱۸۸۷ء

ہے عہد یہ کس جشن کی یا رب کہ سراسر — ہے جوبلی ہی جوبلی اک اک کی زباں پر

یہ عہد کہ گذرے ہیں برس جسکو پچاس اب — ست جگ سے ہے یہ ہند حقیقت میں کہیں بہتر

وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورۂ انصاف — وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید یہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر — ایران میں کیا جشن سدہ اسنے مقرر

اس عہد ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے — ظاہر ہوئے اسطرح کہ عقلیں ہوئیں ششدر

یہ جشن ہمارک ہے بہت جشن سدہ سے — وہ آگ نکلنے کا یہ بجھنے کا ہے مظہر

اس دور خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے — تھی جنکی جہاں سوز لپٹ آگ سے بڑھکر

اس عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع — جو پھیرتے تھے بیٹیونکے حلق پہ خنجر

بیٹونکی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب — جو لوگ روا رکھتے تھے خونریزی دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اسطرح سے پائی — دی زندگی اک اور انھیں علم پڑھا کر

اس عہد نے کی آکے غلاموں کی حمایت — انساں کو نہ سمجھا کسی انساں سے کمتر

دی اسنے مٹا ہند سے یوں رسم ستی کی — گویا وہ ستی ہو گئی خود عہد کہن پر

یہ قصیدہ انجمن اسلامیہ لاہور کی ایڈریس کے ساتھ انجمن کیطرف سے بحضور ملکہ معظمہ قیصر ہند گزرا گیا تھا ۱۲

نابود کیا اُس نے زمانہ سے ٹھگی کو
اک قہر تھا اللہ کا جو نوعِ بشر پر

اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ
مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر

اے مادرِ برطانیہ اے فخرِ بر و ملک
اے ہند کے گلہ کی شُباں ہند کی قیصر

سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھسا نہیں گذرا
محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر

تسخیر فقط اگلوں نے عالم کو کیا تھا
اور تو نے کیا ہے دلِ عالم کو مسخر

بندا اپنے فرائض میں مسلماں ہیں نہ ہندو
معمور مساجد ہیں نہ آباد ہیں مندر

بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا
سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر

گو منتِ قیصر سے ہے ہر قوم گرانبار
احساں مگر اسلام پہ ہیں اُسکے گرانتر

معلوم ہے جو مُوروں پہ اسپین میں گذری
جس وقت ازبلا ہوئی وہاں صاحبِ افسر

حالت وہی کبھی اس ملک میں پہنچی تھی ہماری
گرتا نہ اگر اُسکا نشاں ہند میں آکر

اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری
ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر

امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سایہ میں جز سایۂ قیصر

گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر
کافی ہے نہ وقت اسکے لئے اور نہ دفتر

ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق میں جب تک
آزادی و انصاف حکومت کے ہیں جوہر

قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ

پھوٹ سے ایکے نے کی یہ گفتگو ۔۔۔ میں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو
میرا ہے یا تیرا مبارک قدم ۔۔۔ مجھ سے ہے یا تجھ سے بقائے اُمم
اپنی ستائش نہیں زیبا۔ مگر ۔۔۔ حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر
منزل ہستی کا ہوں میں ہمنوں ۔۔۔ کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر میں نہیں
مجھ سے ہی اجسام کو ہے التیام ۔۔۔ مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام
میری بدولت ہے کھچا اور تنا ۔۔۔ جال یہ سب ثابت و سیّار کا
میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں ۔۔۔ زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں
دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا ۔۔۔ قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا
ڈھیلوں سے چُنتا ہوں حصارِ حصیں ۔۔۔ ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں
میں ہوں اگر مورچوں کے درمیاں ۔۔۔ اُنکا سلیماں کو کروں میہماں
مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب ۔۔۔ کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب
قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل ۔۔۔ میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل
مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ ۔۔۔ میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اجاڑ

ملک میں آباد مری ذات سے
یُمن ہے اک میری کرامات سے

میں نے ہے جس قوم کو بخشا وقار
قوم وہی قوم ہے باقی کہار

بخت عدو مال ہے اُس قوم کا
بندہ خودا قبال ہے اُس قوم کا

نرغہ میں گھر جائے گر ایک اُنکا فرد
لاکھ پہ بھاری ہے بوقتِ نبرد

ڈال نہیں سکتا کوئی اُس پہ ہاتھ
سوجھتی ہے قوم تمام اُسکے ساتھ

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل
وھاں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

میرے تصرف میں ہے جو سرزمیں
وھاں کوئی بیکس کوئی تنہا نہیں

ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار
ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار

ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب
پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب

آگ اگر گھر میں لگی ایک کے
قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے

کُل کی مصیبت میں ہیں کُل مبتلا
ایک پر آتی نہیں کوئی بلا

ضُعف دباتا نہیں اُنکو کبھی
رکھتے ہیں کمزور بھی وھاں دل قوی

غم نہیں افلاس کا مفلس کو وھاں
ایک کا افلاس ہے سب پہ گراں

ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار
ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

سنتی ہے اے خانہ برانداز جھوٹ
سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ

تجھ میں نہیں عیب کچھ اسکے سوا — ساتھ مرے تیرا ہے کھٹکا لگا

ذات ہے میری یہ کامل ۔ مگر — دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر

ہوتی اگر تیری نہ یہاں ہست و بود — میرا مبارک تھا جہاں میں وجود

چشمہ رحمت ہے جماعت ۔ وہ لے — کرتی ہے تو آکے مکدّر اُسے

چار جو مل بیٹھتے ہیں یہاں کبھی — سب نظرِ بد سے ہیں لرزاں تری

صلح کا رہتی ہے بُرا لگتی تو — دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو

قطع و برش تیری جبلّی ہے خو — گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو

بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو — یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو

ڈالتی ہے اُنمیں نزاع اور خلاف — دو کے نہیں چھوڑتی دل اُنمیں صاف

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا — چُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ — اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سوجھتی ملّت کی نہیں کوئی بات — یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات

رہتا ہے ایک ایک کے درپئے نہاں — جس سے ۔ جسے دیکھئے ہے بدگماں

زَید کا ہے عَمرو سے ظاہر ملاپ — دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے پاپ

ایک یہ کہتا ہے کہ میری سپ چلے — دوسرا خواہاں کہ زک اسکو ملے

دیکھئے جسکو وہ ہوا اس تاک میں — یاروں کے منصوبے ہیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر — جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں — خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھوٹ نے ایکے سے سنا جب لاف — بولی کہ تقصیر ہو میری معاف
نام ہے بدنام مفسد مرا — ذکر برائی سے ہے گھر گھر مرا
پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر — میں ہوں وہی جو کہ ہے تو سربسر
عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں — خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں
خلق کے ہم دونو مددگار ہیں — دوست کا تو یار ہے دشمن کی میں
اپنوں سے تو غیروں کو کرتا ہے زیر — میں ہوں کہ دل غیروں کا رکھتی ہوں شیر
میں کروں تائید نہ تیری اگر — ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر
کام رہیں سارے ادھورے ترے — ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے
میرے ہی بل چلتی ہے گاڑی تری — مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری
میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست — رومیوں کے حوصلے ہو جاتے پست
ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال — کرتی نہ عباسیوں کو پائمال
کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر — فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر
ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل — کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل
غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ — ٹھیرتے دعوے ترے سارے دروغ
ہند میں میں گل نہ کھلاتی اگر — رنگ نہ یہاں اپنا جماتی اگر

غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو | خلجیوں کے کام کچھہ آتا نہ تو
لودیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم | مغلوں کا یہاں آگے نہ گڑتا علم
ہند میں کرتی نہ اگر میں وطن | پھیلتے مغرب سے نہ یہاں علم و فن

یہ تو لیا تو نے سن اے اتفاق | اب کہوں کچھہ اور جو گذرے نہ شاق
تجھے سوا مجھہ میں ہی سچ اسکو جان | جلوہ گر اوصافِ الٰہی کی شان
تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار | چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار
اسکو نہ پیش آئے کبھی روزِ بد | بات رہے اسکی بنی تا ابد
حصہ میں اسکے رہے عز و شرف | رشک سے قومیں تکیں اسکی طرف
آئے نہ اقبال کو اسکے زوال | دوست رہیں شاد عدو پائمال
تیرا تو یہ خاصہ ٹھہرا مگر | عادتِ حق کی نہیں تجھکو خبر
آج کسی کو جو چڑھاتا ہے وہ | دوسرے دن اسکو گراتا ہے وہ
جزر ہے دریا میں پس از مد ضرور | عزت و دولت کی ہے اک حد ضرور
ختم جب اقبال کا ہوتا ہی دور | سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور
خصلتیں ان کی نہیں رہتیں درست | فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سست
بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا | بندوں کے حق اور نہ حقوقِ خدا
ملتی ہے ہر چند کہ مہلت انھیں | پر کبھی ہوتی نہیں عبرت انھیں

جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار
ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سزا سے نہیں پھر درگذر
کارگذارانِ قضا و قدر

لیتے ہیں چھین اُنسے حکومت کبھی
کرتے ہیں سلب اُنکی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں اُن کا مٹا
دیتے ہیں دولت کبھی اُنکی لٹا

ایسے بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے یہ کھا کھا کے گئے گر سنبھل
سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور وہاں
تاکہ کروں قدرتِ باری عیاں

الحذر اُس وقت سے اے اتفاق
آنکے جب کہتی ہوں میں الفراق

آگئے اُس قوم کے جس دن بُرے
حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں
شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین
کوڑی کے کر دیتی ہوں میں تین تین

کرتے نہیں غیر اُنھیں آکے پست
پاتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیان اُنکا بد اندیش چھوڑ
آپ ہی مر جاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں
قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہوگیا جس ملک میں یہاں میرا راج
قحط و وبا کی نہیں وہاں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف
کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا
کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حکم یہی ہے تجھے اسے اتفاق — ڈالتی ہوں اسلئے اُنمیں نفاق
ہے مری تحقیر خلافِ ادب — ہیں عیاں فرستادۂ درگاہِ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا — جھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا
ڈالدئے تونے دلوں میں شگاف — کب تلک اے جھوٹ یہ لاف و گزاف
حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم — جھوٹ میں اور اتنا غلو شرم شرم
چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں — تجھ میں حقیقت کی کہیں بو نہیں
چیز وہی چیز حقیقت میں ہے — تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے
فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف — ہیچ ہے وہ اسمیں نہیں اختلاف
طبع بشر میں ہے ودیعت وفاق — وھاں نہیں مطبوع بجز اتفاق
روم ہوں یا ترک عجم یا عرب — مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب
ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ — ایک سے ہے ایک کے دلکو لگاؤ
ہوتی کچھ اے جھوٹ اگر تیری اصل — متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
تو ہے وہ سرچشمہ نہیں جسمیں آب — تیری نمائش ہے برنگِ سراب
ایسے بہت کرتی ہیں جلوے عیاں — آدمِ خاکی کی غلط فہمیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ — ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ
تجھسے بھی پڑجاتے ہیں اکثر بگاڑ — رائی کے ہوجاتے ہیں بنکر پہاڑ

ہے یہ نمائش تری اے خود نما
شعبدہ اک وہم غلط کار کا

سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یہاں
پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یہاں

جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں
ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں

ٹھیک نہیں سوجھتی وہاں کوئی چیز
نفع وضرر میں نہیں ہوتی تمیز

قوم کی تعریف نہیں جانتے
اپنی حقیقت نہیں پہچانتے

کر نہیں سکتے وہ حقائق میں غور
کہتے ہیں جڑ اور ہے ٹہنی ہے اور

جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا
قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا

پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا
ہے اِنھیں قطروں سے وہ دریا بنا

بس یہی انساں کی غلط کاریاں
دیتی ہیں پہنچا اُسے اکثر زیاں

ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر
تولنے لگتا ہے اُسی پر تبر

چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ
کانٹے اُسی راہ میں بوتا ہے وہ

پینے کا جو اُسکے ہے جان بخش جام
زہر ملاتا ہے اُسی میں وہ خام

حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں
جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

ہوتی ہے پر ختم شبِ تار جب
پھیلتے ہیں علم کے انوار جب

شے نہیں رہتی کوئی پیشِ نظر
نورِ حقائق کے سوا جلوہ گر

سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ
تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے چھوٹ

وہم دوئی دل میں سماتا نہیں
اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں۔

بھائیوں پر پہلے کئے تھے جو وار / اپنا بدن پاتے ہیں اب اُنسے فگار
اُنپہ چلائے تھے جو تیر و سناں / اپنے بدن پر ہیں اب اُنکے نشاں
اُنکے سمجھ کر جو بگاڑے تھے کام / کام بگڑتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہے جس قوم کا یہاں راہبر / برکتیں اللہ کی اُس قوم پر
جانتے ہیں وہ برکات وفاق / اُنپہ ہیں روشن خطرات نفاق
فرق نہیں اُنکے زن و مرد میں / قوم کی طاقت ہے ہر اک فرد میں
رتبہ یہ ایکے نے ہے اُنکو دیا / لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرمانروا
زور سے ہیں اُنکے زبردست زیر / لومڑیاں سامنے اُنکے ہیں شیر

اے کہ تری ذات ہے عالم پناہ / اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہات ہے / تیری صفت جامع اشتات ہے
منتج ادبار ہے جب تک نفاق / مثمر اقبال ہے جب تک وفاق
تلخ ہے جب تک ثمر اختلاف / ہے تر و تازہ شجر ایتلاف
بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر / رکھیو ہر اک قوم کو شیر و شکر
ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی / ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی
بندسے ہو بند نہ کوئی جدا / بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا

پھوٹ کسی قوم میں پڑ جائے جب — ایک ایک اُنمیں بچھڑ جائے جب
رکھنی ہے باقی تجھے گر اُنکی نسل — تفرقہ کر اُنکا مبدل بہ وصل
ورنہ اگر ہو نہ ملاپ اُنکو راس — اور نہ ہو سر جوڑنے کی اُنکے آس
وہ جئے تو کیا جئے بے آبرو — جلد اُٹھالے اُنھیں دُنیا سے تو
پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا — حق میں ہے اُس قوم کے بہتر فنا

مسلمانوں کی تعلیم

مرتبہ ۱۸۸۹ء

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علیگڈھ پڑھا گیا تھا۔

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو — کہ ہر گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سُنے ہونگے نہ معنی لاتسبوا الدہر[1] کے تم نے — تو اب سُن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہونگے جنکا کہنا ٹل بھی جاتا ہے — اگر میری نہ مانوگے تو پچھتاؤگے نادانو
مری بازی کا منصوبہ گیا کب پلٹ یارو — خبر تمکو بھی ہے کچھ؟ اے مری چالوں سے بیگانو
گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دُنیا پر — بقائے دین و ملت منحصر دُنیا پہ اب جانو
گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے — بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ اے تن آسانو

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جسکے الفاظ یہ ہیں "لا تسبوا الدہر فان الدہر ہو اللہ" یعنے زمانے کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الٰہی میں سے اور زمانے کے جو واقعات تمکو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر کھاتے تھے عیش کر کے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو

مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم - وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک - اے شمع سحرگاہی کے پروانو

بھلا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیار وہاں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جسوقت دیکھو میری جیوں تم بھی پھر جاؤ

گیا دورِ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنھیں دنیا میں رہنا ہو رہے معلوم یہ انکو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری

جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئیگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائینگے آقا زیورِ تعلیم سے عاری

اگر چاہینگے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا انکو امتحانِ علم بیطاری

نہ مستغنی بکاول علم سے ہیں اب نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری

یقین جانو کہ آئندہ ملیگی درس گاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہئیگی اک پسنہاری

کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو پیچھے علم کے اور خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر

کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہن گر نہ بازی گر نہ سوداگر

مہندس چاہیئے عزو دراب اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور

نہ پہنچیگا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب سمجھی فلاطوں سے یونہیں کچھ ہوں تو ہوں کمتر

جہانداری میں آج اک ایک عاقل ہے جم و کسریٰ
جہاں گیری میں ہے اک اک سپاہی طغرل و سنجر

گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انساں کے یکسار
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر

یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ توکل ہے اس سے اعلیٰ تر

کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو سمجھینگے
کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یکساں اک حالت پر

نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انساں و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگینگے نام انکا مٹا دونگا

ہمارے شکر سے اے قوم احساں اسکا بالا ہے
کہ جسنے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے

خدا کی برکتیں اور رحمتیں ہوں نازل تجھ پہ ای سید
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی گذرے ہونگے دنیا میں
کہ دلسوزی کا جنکی آج قوموں میں اجالا ہے

بھلائی کا تری احسان نہیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا گر نہ اپنا زمانہ ہو بن گماں تجھ سے
کہ درد دل کی کیفیت سمجھ سے انکی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں نے انکو اسلئے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اُس کے
کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ پہ بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ہے آخر قوم کی تعلیم یا منھ کا نوالا ہے

جسے احباب اک قیصر رفیع الشان سمجھے ہیں
نہ ہو تو اُس کا یہ آشیاں تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اُٹھ جائے

ترے احسان وہ رہ کر سدا یاد آئینگے اُن کو
کرینگے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائینگے اُن کو

تری کوشش کے تیری زندگی میں جو کہ پھلتے ہیں
نتائج اُس کے تیرے بعد خوں رُلوائینگے اُن کو

تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانے کے حوائج جلد تر شرمائینگے اُن کو

ترے کاموں کو خودکامی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل اُن کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائینگے اُن کو

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھینگے تو ہم دکھلائینگے اُن کو

بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے بھی دل کے داغ کچھ گرمائینگے اُن کو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائینگے وہ گھر میں آگ جب سلگائینگے اُن کو

بہت ہیں مدعی ہمدردی اسلام کے لیکن
ٹٹولینگے انھیں جب بار خالی پائینگے اُن کو

کبھی تسبیح کو اُن کی ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائینگے اُن کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا صلا تجھکو
نہیں امید پر کچھ تجھ سے کہ ہو اسکا گلا تجھکو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے
انھوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری تجھکو دکھایا ہے

بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن — رہا گلزار ہو کر باغ جو تونے لگایا ہے

دیا ہو ساتھ جو تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے — اگر دو چار نے کچھ کہکے تیرا دل دکھایا ہے

ادھر پورب سے پچھم تک ادھر اُتر سے دکھن تک — مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے پایا ہے

اودھ سے تا بہ کشمیر الہ آباد سے تا بہ — دلوں میں تو نے سکہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے

دکن میں ... وہاں آکے تیرے ساتھی — ترا مداح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے

حضور شاہ و مہاراجہ کہ جس نے ہند میں اول — رکاب اسلام کی تھامی و اُس پر سر جھکایا ہے

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر — جنہوں نے ہر سفر میں تجھکو آنکھوں پر بٹھایا ہے

جنہوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھکو مانا ہے — تری نصرت میں اخلاص مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھہ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئیں سرسبز دل کی آرزوئیں تو دھارس بندھاتا رہ — امیدیں انکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ

ہوا پورا ہو یا پھولا نہ کر تو اس کی کچھ پروا — لگایا ہے چمن جو تونے پودا اس میں لگاتا رہ

امیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے — دعائیں قوم کی لے لیکے عمر اپنی بڑھاتا رہ

ابھی لبریز کم پیالے ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی — سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ

نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیائے موتیٰ سے — جہاں تک تجھ میں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ

زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہکر — تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ

فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے — ہر اک شعلہ کو آب بُرد باری سے بجھاتا رہ

کیا ہی زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے

مہم گر فتح کرنی ہے تو جو میں دل کھاتا ہے
جو تو آل محمد ہے تو صدمے سے اٹھاتا ہے

کوئی دن اور اس دارالمحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھکو زندہ جاوید رہنا ہے

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہونگے بیچلر اور ماسٹر پیدا
ہو ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہے
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
ابھی اٹھ کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے
ابھی سن لیں کسی قومی جماعت میں شکر بجی
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
اگر پوچھا اس پہیلی کی نہ سید ہمکو بتلاتا
نہ کی سید کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے

پھر ایسا پیر ہم میں نے کوئی نوجواں ہم میں
مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
نہ پاؤ گے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں
ہزاروں اس سے ہو جائینگے پیدا بدگماں ہم میں
ہزاروں ہونگے یہ بدفال سنکر شادماں ہم میں
نہ دور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں
تو پھر سر گر کے سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار و یار اب تک
جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے

کرو دھندلا نہ اس رستے کو جو ہے بے غبار اب تک
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمھاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہے زمانے میں
تمھاری خدمتوں کی قوم ہے منت گذار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو سیّد کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اُسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو سُن لو کہ ہے آپس کی اَن بَن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جا بجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقے کے یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیئے بادِ مخالف نے
زمانے کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں ملکر
ہماری گھات میں ہے انقلابِ روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹا دو حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہوگا
اسی دار الشفا میں بختِ پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت اُبھرنے کی ہمارے کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا

یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

اگر راس آگئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اس میں سے آسماں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلینگی طوبیٰ کے سوا اس کی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ہر اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

جو حق نے عالم اسباب دنیا کو بنایا ہے
تو جو نکلے گا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اس قوم امت میں
اسی کھیتی سے اس میں جنبش دم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں تعلیم ڈھا دے گی
نہ ڈھینے دیگا حق سلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دار العلم اسلامی اخوت کی
ہم اس سے بدگماں ہونگے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
برا کہنا گھروں میں بیٹھکر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آکر یہ چمن دیکھیں
ریاض قوم کا فصل خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر
وہ آکر شام غربت بہتر از صبح وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نونہال اطراف سے آکر
بہم سب کو شریک شادی و رنج و محن دیکھیں

محبت انمیں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماجائے
وطن پوچھیں تو ہند و سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر
تو طفل و جواں میں حفظ غیب حسن ظن دیکھیں

تکلف سے بری ایکایک کو دیکھیں اور بناوٹ سے
سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں

تو وضع منعمونکی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی
ادب بچّوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تمام ان سے امیں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی
لڑائی فیلڈ میں دیکھیں کلب میں تو ہنسی دیکھیں

اطاعت سلطنت کی احترام اہل حکومت کا
وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں

نہ ہو ان میں غلامی کی نہ بیباکی کی خو ان میں
ادب سے معتدل آزادگی انکا چلن دیکھیں

زباں سے قیصر ہندوستان کا نام لے کوئی
تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف کے فخر دیکھیں اور تأسف اپنی حالت پر — لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں

نمازوں کی تقید دیکھیں اور روزوں کی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آ کے گر احباب رنگِ انجمن دیکھیں — تو میت سی صدا اک مجسم یونین دیکھیں

نہ دیکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں — ٹوبک اور اسکے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں

تأسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر — کلب میں ہندیوں کے الفت اور یکتن دیکھیں

اگر باور نہ ہو اخلاص سنی اور شیعی کا — بہم شیر و شکر ہیں یاں چار یار و پنجتن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں — وہ آ کر مسلم اور ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں

مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی — مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں

مجسم دیکھنی ہو شکلِ مہرِ مادری جن کو — وہ بچوں سے سلوکِ آرنلڈ و ماریسن دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی — تو والس کا بوقتِ درس اندازِ سخن دیکھیں

اگر اسکول میں جا کے ہم دیکھیں تھیوڈر سٹ کو آ کر — فرائض میں تمام اوقات اُس کے مرتہن دیکھیں

دمِ تدریس دیکھیں جگر داری کو اگر برسوں — نہ پیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن — تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

اگر بو جعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں — تو عباس بن جعفر سا محیطِ علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ - دار العلم ہے یہ قوم کے نازاں — جو آ کر اُس کا ایک ایک درِ مکنوں مع عدن دیکھیں

پھر ان کے بعد دیکھیں گر مربی اپنے بچوں کا — تو اک بجلی سے بڑھ کر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دکھ سکھ میں
اُسے جب دیکھیں قوم کی دھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہے اُس کو ہماری مدح کی پروا
اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

مُحبِ قوم سُنتا ہے در و دیوار سے تحسیں
جنھیں باور نہ آئے وہ مُحبِ قوم بن دیکھیں

ادا سیّد کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

جوانمردی کا کام

مرتبہ سنہ ۱۸۷۴ء

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لیگئی ہے اور اُسکو اُردو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا ہے

تھا کسی مُلک میں اک دولتمند
حق نے تین اُسکو دیئے تھے فرزند

دور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا
باپ بیٹوں کی جواں مردی کا

باپ ہوں جنکے مُروّت والے
بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمّت والے

ہو چکا عُمر کا جب سرمایہ
ایک دن باپ کے جی میں آیا

گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر
مُشترک چھوڑ مرے اِس کو اگر

جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم
آخر اِک روز ہے مرنا تسلیم

بسکہ تھا اُس کو بہت فکرِ مآل
ایک دن بیٹوں کے سب مال و منال

اک گراں مایہ جواہر کے سوا | تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
پھر کہا اُن سے کہ اے اہلِ ہنر | باپ کی جان فدا ہو تم پر
تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی | یہہ جواہر ہے امانت اُس کی
باپ نے اُن سے کہا جب یہ سخن | پھر تو تینوں کو لگی اور ہی دُھن
کہ کوئی کارِ نمایاں کیجے | جس طرح ہو یہ جواہر لیجے
اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے | اس کو یہ فکر سوا تھا سب سے
ایک دن اُس کا کوئی واقفِ کار | کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار
رکھ گیا آ کے جواں مرد کے پاس | ایک بھاری سی رقم بے وسواس
تھے رقم سے وہی دو تو آگاہ | نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل | تو یہ تھا عینِ خیانت کا محل
جب رقم اُس نے طلب کی اس سے | وسوسے دل میں بہت سے آئے
مگر اُس شیر کی نیت نہ پھری | لی تھی جن ہاتھوں اُنھیں ہاتھوں دی
نفسِ سرکش کو کیا مات اُس نے | دی رقم اور نہ دی بات اُس نے
صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا | وہ بھی اُس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے دی جب یہ خبر | ہنس کے فرمایا کہ۔ اے جانِ پدر
اک بُرائی سے بچے تم تو کیا | اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
اک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز | شرم کی جا ہے تری عمر دراز

منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا
میں جو دریا کی طرف جا نکلا

دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر
گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر

تھا جہاں یار نہ کوئی یاور
ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر

آنکھ تھی جانبِ مادر نگراں
ماں کنارے پہ اُدھر تھی حیراں

گرچہ تھا کام خطرناک بڑا
پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا

جان و تن کی نہ رہی مجھکو خبر
جا پڑا نام خدا کا لے کر

جان تو جا ہی چکی تھی اُسکی
پر مری شرم خدا نے رکھ لی

ایک دم بھر میں گیا اور آیا
لا کے بیٹے کو دیا ماں سے ملا

باپ نے سُنکے یہ سب اُس سے کہا
کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا

آدمیت کا کیا تم نے کام
جاؤ بس ہے یہی اس کا انعام

فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے؟
نہ ہوا اتنا بھی تو انساں کیا ہے؟

پسرِ خرد کا اب سُنئے بیاں
جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں

عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز
باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز

بات گو لائقِ اظہار نہیں
آپ سے کہنے میں کچھ عار نہیں

خوب اک روز گھٹا چھائی تھی
رات آدھی کے قریب آئی تھی

شبِ تاریک میں وہ ابرِ سیاہ — کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ

اک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا — خوف چھاتی پہ چڑھا آتا تھا

ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا — میں تھا اور عالمِ تنہائی تھا

کوندی اک سمت سے بجلی ناگاہ — جس سے آگے کو کھلی راہِ نگاہ

پڑی اک غار پہ وہاں میری نظر — جسکی صورت سے برستا تھا خطر

موت کھولے ہوئے تھی مُنہ گویا — جسکے دیکھے سے جگر ہلتا تھا

دیکھتا کیا ہوں کہ اک مردِ غریب — جسکو روتے ہیں کھڑے اُسکے نصیب

جیسے رستے کا تھکا ہو کوئی — یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی

جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش — غار کے مُنہ پہ پڑا ہے مدہوش

اپنی ہستی کی نہیں اُس کو خبر — اور قضا کھیل رہی ہے سر پر

اجل آجائے تو ہے روک نہ تھام — ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام

اتنے میں اور جو بجلی چمکی — شکل پھر غور سے دیکھی اُسکی

مرد نکلا وہ شناسا میرا — تھا مگر خون کا پیاسا میرا

مجھ میں اور اُسمیں عداوت گہری — ایک مدت سے چلی آتی تھی

وہاں عداوت پہ گر آؤں اپنی — اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی

مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار — اک اشارہ میں وہ تھا لقمۂ غار

آگیا مجھکو مگر خوفِ خدا — اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا

مرتے کو مارنا بے دردی سے
ہے بہت دور جوانمردی سے

حوصلہ کا ہے یہی وقت - کہ آج
ہے عدو اپنی مدد کا محتاج

جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانب غار
کہ اسے کیجئے چل کر بیدار

وہاں سے جا- اسکو اُٹھا لایا میں
موت کی زد سے بچا لایا میں

مُنہ کو دامن سے مگر ڈھانک لیا
اسکو شرمندۂ احسان نہ کیا

سُنکے - دی باپ نے بیٹے کو دعا
اور چھاتی سے لیا اُس کو لگا

پھر بڑے بیٹوں کو بُلوا کے کہا
بولو - اب کس سے ہوا کام بڑا ؟

داستان جب یہ سُنی دونوں نے
باپ سے عرض یہ کی - دونوں نے

خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف
پوچھئے ہم سے تو ہے یہ انصاف

جس جواہر کے طلبگار تھے ہم
اُس کے لائق تھے نہ حقدار تھے ہم

اور کو اُس کی ہوس ناحق ہے
حق یہی ہے کہ - وہ اِس کا حق ہے

باپ یہ سُنکے ہوا شاد بہت
اُنکے انصاف کی دی داد بہت

چھوٹے بیٹے کو بُلا کر پھر پاس
پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس

پھر جواہر اُسے دیکر یہ کہا
لو - یہ ہو تم کو مبارک بیٹا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

مرتبہ سنہ ۱۸۷۸ع

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر ایسٹوک اسکے مصنف ہیں جنھوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دلّی میں کمشنر تھے پاس تمام پوئم کو دلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں اُنکے حکم سے صرف پہلے حصہ کو اُردو میں نظم کر پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا۔ میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا۔ اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے۔ ساظرین اسکو دیکھ کر مجھ سے خوش یا ناراض ہوں میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے اُن خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جسکو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے نہایت مجبور کیا ہے اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر جگہ تمیز کے لئے اسکو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ باایںہمہ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پوئٹیکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں اُنسے امید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائینگے +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستان
زیب دیتا ہے اگر کہئے تجھے سارا جہان

اک طرف کھینچی ہے قدرت نے تری دیوارِ کوہ
موجزن ہے اک جانب تیرے بحرِ بیکراں

چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جسپر خموشی کا سماں

بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار
جبکہ اُسمیں آ کے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں

خوف باہر کا ہے تجھکو اور نہ کچھ اندر کا فکر
(دستِ گلچیں نارسا و نخلِ دولت گلفشاں)

تو نے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملکِ غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیر و سناں

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار
(ہو نہ اب کھٹکا خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدس آریاورتھ آ ہی گیا تجھپر بلا
جسنے بزمِ یکدلی کو تیرے برہم کر دیا

کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق اور اتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا

تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھکو سزا

گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا

گھاٹیوں میں آ کے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا

بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و الفت کی زمیں
قوم کے ہمدرد تھے ہو اس مکاں کے سب مکیں

حیف جس مٹی سے اُگنا چاہیے تھا نخلِ مہر
جم گیا آب ہوا ادہر سے وہاں تخمِ کیں

سر بسر تختے گلِ خودرو کے جس جنگل میں تھے
(غور سے دیکھا تو پنہاں تھے درندے بھی وہیں

امن قائم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں
جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا غفلت گزیں)

دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں

جنگ و خونریزی کے خوگر ہو گئے وہ رہنما
ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
اک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا)
اس خرابی پر بھی رو کے تونے حملے بارہا

جانتا ہے اک جہاں اسکندرِ اعظم کا نام
چشمۂ حیواں پہ جسکو لے گیا بختِ رسا

تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا

گہرے اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایۂ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا

گو ہوئی اُسکی رسائی چشمۂ حیواں تلک
پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا

جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
(دل میں جو ارماں تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)

؎ یہ شعر اپنی طرف سے اسلیئے بڑھایا گیا ہے تاکہ ہند کے پورے سات شعر ہو جائیں ۱۲ حالی

دِقتوں نے فتح کی جطرح [illegible] اُسے
کام ہی مشکل تھا یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے سبک رفتار بیاس
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اسکی وہاں ساحل کے پاس

بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس

تھا ظفر اُچیر ان سکندر اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا اور اسکی تھی تعبیر یاس

جب سکندر پھر گیا سو یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہے آئے یہ عزیمت جسکو راس

بعد مدت پھر وہیں آئی امنڈ کر اک گھٹا[1]
بیاس کے میدان میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس

جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے[2] نامور
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملے کے آگے اہلِ ہند
چھوڑ کر ندی یہیں گُستوں سے بھاگے اہلِ ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آنکے تیغ آزمائی میں غلو

ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُن سے بارہا
حملہ آور اُترے اور پڑتے رہے رن بسو

وہ نشاں جنکی چمک تھی بے بقا مثلِ شہاب[3]
گر نظر آئے اٹک اور ستلج پہ کبھو

۱ اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا ۱۲

۲ یعنی سکندر اعظم ۱۲ ۳ یعنے جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپایدار تھی اور جو ہندوستان پر حملے کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے ۱۲

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہراس
آ کے ٹھیرا پہلے مینینڈر[۱] کنارِ آبِ جو (گنگا کے کنارے)

دھار میں گنگا کی وہ ہتھیار جھکے سربسر
ہند تک یونان سے جو آئے تھے (پہنچے) لہو

ناگہاں جہلم پہ چمکی آنکر سیتھیا[۲] کی آگ
اور پھر کرتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس و ستلج کو پھاند
ہو گئے یونان کے ہتھیار آگے اُسکے ماند

[۱] مینینڈر یونان کے سوتیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملکِ باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰ سے دو سو برس پہلے مسلط ہو گیا تھا۔ مینینڈر نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۵۵ء قبل مسیح سے ۱۵۳ء قبل مسیح کے درمیان حملے کئے ہیں اُسنے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا ۱۲

[۲] بحر اسود اور کوہ قاف اور بحیرۂ کیپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُنکو سیتھیا والے کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں سیتھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے۔ ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے یہانتک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُنکی زیر دست سلطنت قائم ہو گئی تھی۔ اُنکا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنشکا ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بودھ مذہب کی شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ سیتھیا کی آگ سے غالباً اُنکی جہانسوزی و تاخت و تاراج مراد ہے جیسے کہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۱۲

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند ۔ جانبِ ہندوستان محمودؒ نے ہانکا سمند

وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا۔ مگر ۔ ہندوؤں کے دل رہے اُسکے ستم سے دردمند

وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی وھاں آفت بپا ۔ اور چلتا تھا جلو میں اُسکے آسیب و گزند

غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو بیم و ہراس ۔ سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہائے زورمند

روندتا تھا جسکو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری ۔ صلح سے بجھتا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند

خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ ہندو پہ رحم ۔ قتل اور تاراج تھا اک بازیٔ سلطان پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشتِ ویراں تھا یہ ملک

۱؎ انگریزی مورخوں اور شاعروں کو جب منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور افروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں جسطرح اس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح ایک مدح انگریز نے اسکی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جنکا اردو ترجمہ یہ ہے **نظم** اے ملکِ زرنگار (یعنی ہندوستان) قدم وہ ہے کہ جنکے حملے سے ہیں تیرے ارکان میں زلزلہ ◆ وہ تیرے قصر اور ستون رسا ایوان ◆ معبد جو بنائے تھے وہ غار زمیں ہیں تہہ و بالا کر اور انکے مندر راجا اور ان کے تخت ◆ حملے سے اسکے آکے پڑا سب پہ وقت سخت ◆ پتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے ◆ اے ملکِ زرنگار وہ غزنیں کی خاک ہے ◆ آتا ہے لوٹتا ہوا اس بزم گاہ میں ◆ بکھرے ہیں بکھرے تاج بہت اسکی راہ میں ◆ لیتے جو اسکے ساتھ شکار رہی ہیں سب شمار ◆ ان کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار سا

بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر + مقتول رانیوں کے گلے سے اتار کر

کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ + اور بے گنہ پوجاریوں کو مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونو شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اُنکے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں کیگئی ہوں ہمیشہ باعث شرم و ندامت رہینگی لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس عیب سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اُسکے بعد بھی صدیوں تک ایشیا سے برابر زیادہ وحشت و خونریزی و بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی اُمید ہے۔ ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا۔ جس طرح مگرمچھ مچھلیوں و مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جسمیں اہل یورپ امریکا میں جاکر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اِس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکا کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی میکسیکو اور پیرو جو کہ امریکا کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیے اُنکی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اُسنے اور اُسکے بعد نئے وارد ہونے والے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ میکسیکو کو قاطبۃً ویران کردیجے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک کالونی آباد کیجیے

چنانچہ جہانتک اُنسے ہوسکا وہانکے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا
کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کرکے اُلٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی
آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جنمیں ہزارہا بنی آدم عام
طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے معصوم بچوں کے روبرو اُنکی مائیں و باپ بہ ہزار عقوبت و
سختی آگ میں جھونکدیے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے
پھڑوائے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنہوں نے کافروں
یعنی مسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول
تھا کہ ظالم اور بد دین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن
ہوکر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریبًا ایک ملین بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح
طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہ ملک
جنوبی امریکا میں بحر الکاہل کے کنارہ پر واقع ہے فرینسلو پزیرو کہ غالبًا اٹلی کا رہنے والا
ایک مجہول النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی
رُولنے کا مدت سے خیال تھا۔ اُس نے پناما یا اُسکے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اِس
بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت ملک پیرو کو جسکے تمول کی بہت شہرت
تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو چھیڑے کے بعد اُس ملک پر قابض
ہوگیا پھر تو کوئی ظلم و تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا
اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اُس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر

پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے جہاں وہ آخرکار فاقے کر کر کے مرجاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے تمام مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بے رحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ ناہموار۔ بے ڈول۔ اور ناشائستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ انکے پڑوس میں رہ سکیں جسقدر انگریزی مہاجرونکی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہو گئے اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑونکے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ ٹسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر ان سے بیلا سرد قوم تھی یورپ والوں کی ہمسائیگی کے باعث بالکل فنا ہوگئی۔ یہانتک کہ اب ایک متنفس بھی انکی نسل کا باقی نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والونسے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھیر سکتے تھے بیت

تو بجلوہ چیوں درآئی۔ اجل از سر ترحم ہمہ جاکند منادی سپے احتراز کردن۔

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ انکی عین دانائی تھی کہ انھوں نے مفت کی بدنامی نہیں لی اور تمام برّ اعظم انکے لئے خودبخود خس و خاشاک سے پاک ہوگیا۔

بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اسقدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصہ کے ابنائے جنس سے اسقدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے ان ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ضرورت نہیں رہی جسقدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا۔

اُس سے اضعاف مضاعف اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کھنچا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جنمیں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہد نامہ تحریر ہوجاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری۔ دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہوگئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ابیات

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن	حذر ! اُس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں	یہ گلچینی ہے یا اُلٹی ہو گلچیں ! یا ہے قزّاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اسمیں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اُسی نتیجہ کے قریب قریب شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے۔ کروروں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتی نانِ شبینہ کو محتاج ہوجاتے ہیں۔ فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُسکے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسیقدر اُنپر کم لاگت آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لئے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت

ضروری اور ناگزیر اشیا کا نرخ گران ہونے کے سبب اُنکی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے اور جسقدر رہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرایشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود کمال نفاست اور لطافت کے نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُنکو بھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں اُنکا معاملہ اور لین دین اُن کروڑپتیوں سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں اور جنکی مانگ کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکلجانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں تھا اُسی کے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت کھسیٹنے کے لئے پہلے جبر و تعدی کی ضرورت تھی۔ اب اُس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ اَن سویلائزڈ دُنیا کی دولت سویلائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھچی چلی جاتی ہے۔ ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور شکار کی دُھن میں دُور دُور کے دھاوے کرتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے۔ آج اس ہرن کو پھاڑ ڈالا۔ کل اُس بارھسنگے کے ٹکڑے اُڑا دئے۔ ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود کھسٹے ہوئے میرے مُنہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا +

مع ذالک اگر کہیں آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلے سے اعلے درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالا نکہ آج تک پولیٹکل اکونمی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہو سکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ مین ہے اسلئے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائٹڈ اسٹیٹس اُسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اسلئے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے جن حکمتوں اور تدبیروں سے آج کل دُنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُنپر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ حکیم علویخاں کے زمانہ میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطار بھی اُس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اُس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے علاج سے اچھّے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ علوی خاں نے کہا بلے۔

لاکن من بقاعدہ مے کشم و آں قرم ساق بے قاعدہ مے کشد ۱۲ حالی

آخر اے دانا حکیمو کچھ سبب اسکا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتل بنی آدم کا چاؤ

جب کہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہوا اسمیں لگاؤ

جب کہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذات حق
پھر نہ مانی جائے کیوں اسکی شریعت بے دباؤ

کیا یہ زیبا ہے کہ دین حق کو اے ابنائے جنس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خون کی بہاؤ

ق

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور ان باتوں سے انہیں جلوۂ الفت کا دکھاؤ

دل کرو اہل جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں انپر دلاؤ

راہِ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں ہر سمت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے استاد[له] اور شاگرد دونوں کا ہدر

راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر

اور لینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر

بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اسمیں ذرا
نخل شادی آنسوؤں کی نم سے لاتا ہے ثمر

دم بدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہو
رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر

بے شہادت مل نہیں سکتی حیات سرمدی
موت ہے در زندگی کا اور الم باب ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخم کاری کا مزا پاتے نہیں

له استاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

ای جلال الدین ہو تو ہی وہ شاہِ نامدار
صلحِ کل جسکی زمانہ میں رہیگی یادگار

بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی
راے پر ہر شخص کی ٹھیرا عقیدے کا مدار

فہم سے بندو نکے بالاتر تھے جو اسرار دیں
بحث کرنے کا ملا بندو نکو انمیں اختیار

حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع
تجھسے القاب شہنشاہی نے پایا اعتبار

پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
ہو گیا اُنکا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار

ثمرہ آخر ملگیا اُنکے تعصب کا اُنھیں
کر گیا رحلت جہانسے جلد اُنکا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈر ہیں کیسے آن آج وہاں
دولت روے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

ق
خیر اُنکے ذکر سے اب کیجیے قطعِ نظر
خوبیاں تھیں عہد میں اُنکے نہ لیکن اسقدر

۲
امن حسنِ اتفاق اور برکتیں انصاف کی
ملک انگریز سے ہو جنکی بدولت بہرہ ور

۳
اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص خود جلوہ گر

۴
نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اُس دم نصیب
چھا رہی تھی جبکہ مایوسی لوگوں پر سر بسر

۵
اس رحمت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
جاے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر

۶
دیکھکر آخر بدی کا دور دورہ نیکیاں
ہو چکی تھیں ملک سے رخصت آہ ٹھنڈی کھینچکر

اُس اندھیرے میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا
چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا

کیا مرہٹے کیا مغل سادات کیا افغان کیا
عہد میں سبکے رہی یہاں بارشِ ابرِ بلا

علم و فن جرأت نکوئی مٹ گئیں سب خوبیاں ... دمبدم طوفان بدی اور عیب کا بڑھتا رہا

یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی ... بحر بے پایاں ہیں گویا سخت طوفاں تھا بپا

ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش ... اور جہاز عافیت تدبیر کے بس کا نہ تھا

بے طرح چھایا ہوا تھا ابر ظلمت چار سو ... کوکب رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا

کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک ... اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور سُورماں

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے ... تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے

آ کے انگلستان نے طوفاں کو للکارا کہ بس ... باز رہ اے فتنہ اپنی گرمی رفتار سے

مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا ایک قلم ... ہند کو اپنوں[1] نے دی آ کر نجات اغیار سے

اہل ہند اور اہل مغرب اصل میں سب ایک تھے ... کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردش ادوار سے

گو رہے چندے جدا۔ پر مل گئے انجام کو ... کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے

اہل مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہل ہند ... (آئینہ اور سنگ دونو نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑیگا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقہ لا یعقل و کوتاہ بیں ق اپنی کجرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں

[1] اپنوں سے مراد مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں ۱۲

اب ہیولےٰ کو سمجھے مصدرِ کل کائنات ۲ اتفاق دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں

ورنہ ہم پوچھینگے اس سے کس طرح اک اتفاق ۳ یا ہیولےٰ لیگیا مغرب سے تا مشرق زمیں

کچھ جہاز اور چند سوداگر تجارت کے لئے ۴ تاکہ ہوں پیدا دیسیوں کی طرح وہاں جا کر مکیں

اور پھر اُس کشور آباد پر قابض ہوں وہ ۵ اک مدت تک ہا مغلوب کے جو ذریں نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہوگیا اے اہل رائے؟
یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم | مان لیں سُر[1] اور اَسُر کی داستاں بیش و کم

گو اک افسانہ ہے لیکن سمریوں کے قول سے | اسمیں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں پاتے ہیں ہم

اہل انگلستان کا آنا سمندر پار سے | ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم

زندگی جو اس سے اہل ہند کو حاصل ہوئی | ہے وہ امرت جو کہ پہنچا ہے سمندر سے بہم

اب یا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا | یہ وہی حق ہے کہ جو ہے واسطے باطل کے سم

جس سے ہوگی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود | اور ہونگے ہاتفانِ غیب گویا نگے تکلم

جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبحِ صادق کی نہ ہوگی روشنی جب تک عیاں

[1] سُر دیوتا کو اور اسُر راکشس کو کہتے ہیں۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فتحیاب ہوئے اور راکشس ہار گئے راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر کیوں انسے

مغلوب ہو گئے - آخر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس علم یعنے منتروں کی طاقت ہے - راکشسوں
نے اُن کے منتر اور کتابیں چرا لیں اور ایک راکشس سنکھاسُر نام اُن سب کو لے کر
سمندر میں غائب ہو گیا - ایشر نے جو یہ حال دیکھا خود مچھلی کا روپ بھر سنکھاسر کو سمندر میں
جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے - ایشر جی کی زبانی
یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں اُن کو نکالنا چاہیے
اُنھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں - میری پیٹھ پر رئی کی جگہہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا اور رسّہ کی
جگہہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اُس کے دونوں سرے سُر اور اسُر
اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ کے منہ کی طرف سے سروں کے اور دُم کی طرف سے اسُروں کے
ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلوڈالیں - اُنھوں نے ایسا ہی کیا - یہانتک کہ سمندر میں سے
چودہ رتن یعنی لچھمی - جواہر - شراب - دھنتر بید - چاند - گؤ - گھوڑا - سفید ہاتھی - تیر کمان
امرت اور بِس وغیرہ برآمد ہوئے - امرت پر سُروں اور اسُروں کے باہم تکرار ہو گئی - اُنھوں
نے کہا ہم لیں - اِنھوں نے کہا ہم لیں - ایشر ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُنپر ظاہر ہوئے
دیوتا اور راکشس دونو اُس کی صورت پر فریفتہ ہو گئے - اور آپس میں یہ بات قرار دی
کہ یہ عورت جس کو جو کچھ دے وہ اُس کو خوشی سے لے لے - چنانچہ اُس عورت یعنی ایشر
نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن دونو فریق پر تقسیم کر دئے - امرت
سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُٹھا کر پی گیا -
دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اوڑا دیا - لیکن بِس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں
ہاں مگر تقدیر پر ہے جبکہ ہر شے کا مدار

اسکو امرِ اتفاقی جاننا ہے ابلہی
تجربہ کی عقل کی تدبیر و جرأت کی کمی
چاہیے کہنا کہ تقدیر الٰہی تھی یہی

قبول نہ کیا۔ شیو یعنی مہادیو جی نے کہا لاؤ اس کو میں کھا جاؤں۔ وہ اُسکو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنی حلق میں رکھ لیا جسکے سبب سے اُنکا گلا نیلا پڑ گیا +

شاعر اس بند میں قصۂ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اِس قصہ کا مصداق ہے گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کرکے ہندوستان تک پہنچے یہ گویا سمندر کا بلونا تھا اور اُنکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا۔ اور جس زہر سے کہ مہادیو جی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب کہ جسطرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے اور اُن کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی۔ اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہیگی ۱۲ حالی

اکبر اور شاہِ جہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
سلطنت کی جو لیاقت چاہئے وہ انمیں تھی

دھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی شیروں سے کچھ
فتح اُنکی - پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی

آج یہ صوبہ پھرا - کَل ملک وہ باغی ہوا
عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پہ سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی عَلَم

راج پر راجہ اَشوکا کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
جن پہ فرماں اُسکے ابتک ثبت ہیں بے اشتباہ

ہند میں ازبسکہ لاٹھیں گڑی ہیں دُور دُور
ہے ہویدا اِنسے اُسکی وسعتِ تمکین وجاہ

پر نشانِ فتح جو اوّل پلاسی میں گڑا
اَور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اُسکی کلاہ

مدّتیں گذریں کہ وہ اُتّر سے لیکر تا دکن
کر چکا ہے حد سے اِن لاٹھوں کی بڑھکر قطعِ راہ

پورب اور پچّھم میں بھی ڈالا ہے اُسنے دُور دُور
سایۂ عدل و نکوئی پر توِ امن و رفاہ

ہمنے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف
وہ رہینگے منقّش اُس پہ ہزاروں سال و ماہ

نام ہے وکٹوریا کا اُن سے بڑھکر پائدار
نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جسکا استوار

مشرقی تاج آجتک تھا پیشِ ربِّ ذوالمنن
اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن

قبضۂ تقدیر میں ابتک رہا محفوظ وہ
مر گئے اُسکی تمنا میں سلاطینِ زمن

ہاں مگر اے فخرِ شاہانِ جہاں - وکٹوریا
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اُسکی لگن

گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج
اُس سے کہدو لائقِ حلوا نہیں ہر دہن

گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر | بانوے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن
ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب | اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دولہا کو دلہن

نیک طینت پاکدل ایسے بشر ہوتے نہیں
رنج سہنے کے لئے ایسے جگر ہوتے نہیں

ق
وہ جزیرہ جو کہ روے بحر پر ہے مثلِ خال | دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال
۲ جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثارِ قدرت ناپدید | کچھ نہیں آتا نظر جز ذاتِ ربِّ ذوالجلال
۳ یعنی انگلستان ہے جسکی حقیقت اس قدر | شاید اسکے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال
۴ کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے | سرزمین ہند پر ہے جسکی وسعت کا یہ حال
۵ اس سے کہدو خوں بہے اولاد کا اسکی جہاں | آبِ باراں کی طرح اور بحر و بر ہوجائیں لال
۶ جسکے لینے اور بچانیکے لئے لاکھوں شجاع | جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوئے ہوں پائمال

مفت اسکے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کسطرح
خوں بہا اُن سورماؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب جانے دو کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں ہے | یا فتوحاتِ نمایاں لائقِ وقعت نہیں ہے
بے بہا ہے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا | دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں ہے
واسطے اولاد کے میراث جسکو چھوڑ جائیں | اسقدر بھی دولتِ عزت میں کیا برکت نہیں ہے
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اسکی سوچ کو | جسم خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ سبقت نہیں
بحث کرنی اس سے لاحاصل ہے سمجھا دو اسے | تجھکو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں

ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا
جسکی فطرت میں کم حیوانوں سے کم خسّت نہیں
عروہ ماکی ١٢

تنگ فی الّت ہو نہ کچھ پروا ہے عزت ہے جسے
ہر ذلّت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جرأتیں اسپارٹا سے یہ نہوتیں آشکار
گر بزرگوں کی نہوتیں وھاں نہوتیں یادگار
حسب وُنکے اپنے ساکے یاد آتے تھے اُنھیں
آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
سورماں تھرموپلی کا نام سن پاتے ہیں جب
جوش میں آتے ہیں کیا کیا انکے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیرِ جری
نسل میں اُنکی وہی عزت رہیگی برقرار
جو کہ دہلی یا اسائی میں ہوئے ہیں فتحیاب
ق
ہموطن بھائی ہوں اُنکے یا عزیز و رشتہ دار
جی چرائینگے نہ ہرگز جان دینے سے کبھی
٢
فی المثل گردش گُنی طاقت سے بھی ہونگے دوچار

تاکہ فتحِ دہلی و فتحِ اسائی کا شرف
قوم میں باقی رہے گو ہوں جانیں معرضِ تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتابِ اولیں
جسنے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیادِ کیں
تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور
تھی پڑی جسوقت بن بولی جُتی ساری زمیں
کون ہوگا جسکے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر
ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں
قومیں آپسمیں بہت رکھتی ہیں [illegible] میل جول
اُنکی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دوربیں
ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا
گر نہو۔ تو ایک دن ہوجائیگی وہ بالیقیں
قوت اور امن خوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق
ثمرۂ نا اتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوعِ انسان میں بدی جو کہ پھیلا تھا نفاق
کرتا جاتا ہے زمانہ اسمیں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آجکل — پودنے کی اصل کیا۔ دیو دکھا ہو جسکا عمل
اک ذرا سی بھیس میں ہوتا ہے کام اسکا تمام — دیو کی جنبش ہے اسکے حق میں پیغامِ اجل
دے۔ گر انگلستان کا ساری رعیت ملکے ساتھ — تنگ ہو جائے عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
ورنہ وہ ملت کہ جو دو برّ اعظم پر ہے آج — سایہ افگن صورتِ مثلِ تناور فی المثل
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایۂ دور و دراز — رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
سامنے اُس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال — جیسے اک بالشتیا آجائے پیشِ دیل

وقت پر سب ملکے گر اُس کا نہ دینگے ساتھ یہاں
اک طرف ہو جائے گا پلّہ ترازو کا گراں

نوعِ انسان کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام — پھر حماقت ہے کہ کیجے آج۔ کل کا اہتمام
بات جو کل ہو چکی اُسکی بھی حسرت ہے عبث — رہتے ہیں آج اسلئے ہر حال میں ہم شادکام
جبکہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم — دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہمکو کام
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف — کر چکے ہیں قطع۔ تھے جہاں پر خطر جتنے مقام
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب — خوف کا ہرگز ہے باقی نہ دل میں اپنے نام
جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے پستی کی طرف — شکرِ حق لائیں بجا۔ ادبخت کو بھیجیں سلام

یہ روس کی طرف اشارہ ہے۔ انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو دیو سے تشبیہ دی ہے ۱۲

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں
یادِ غمہائے گذشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا

اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
اور آزادی[۱] نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا

مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما

سر پہ دو تاجِ ہمایوں ہند کے رکھے گئے
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اُس کو ملا

ق
برخلاف اُس ملک[۲] کے جو ڈھکتا ہے برف سے
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا

بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں نہیں چڑیوں کے
تاکہ جو ملجائے وہاں آوارۂ دشتِ بلا

گر کے چھوڑیں اُس کو ایسا بے کس و بے خانماں
حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت ہیں زار و نزار
ہے موافق اُسکی وسعت کے رعیت کا شمار

فرض کیجے کل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ایک حصہ اُسمیں اہلِ ہند پائیں گے قرار

ہے یقیں مقدار اُسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اُسمیں بار

زندگی کی ریت اب ٹھیرگی شیشے میں سوا
پیشتر جسکے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار

[۱] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے ہر شخص اپنی رائے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲

[۲] یہ روس کے ویران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲

اسقدر بندونکی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو
ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار

کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہئے
بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

یاد رکھ اے منکر حق ۔ ہے یقیں اصل نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی ہے یہاں
لاکھوں جانداروں کے رہنے کو علحدہ اک جہان

وہ خدا جسنے بنایا اور پھر پالا انھیں
کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و نان

لہ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں حضرات دمن وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں ۔ کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لئے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت ۔ سیاحت اور علوم وفنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائے گی اُسی قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائیں گے اور اس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھیرے گی ۔ اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے ۔ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لئے کافی نہ ہو اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں اس اندیشہ کو وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہیں گے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائے گی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی ۔ گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرنا بتاتا ہے ۱۲ + ۱۲

ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دے اُسے / تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبہ[۱] کا کثرت پر رعایا کی مدار / ہند ہو سکتا ہے آدھی ایشیا پر حکمراں
کچھ بھی ہمت ہو اگر اُسمیں تو پھر ممکن نہیں / آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستاں
بلکہ خود لیجائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ / اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کئے جائے بسر
عزت۔ آزادی۔ بزرگی۔ آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اسقدر / ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطانِ بلند اقبالِ فرخ فال کو / اور پھر کیا چاہیئے۔ کچھ بھی قناعت ہو اگر
ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسرِ کشمیر آج / یا کوئی گنگا کے میداں سے۔ زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[۲]۔ مانندِ طلسم / طرفہ کیفیت سے ہے لہروں میں ڈل کی جلوہ گر
دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اُسکا انعکاس / دوسرا وینس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغِ شالامار جو رونق فزا ہے اُسکے پاس / ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سر بسر

سبزہ و نسرین و گل کی سرزمیں کہئیے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہئیے اُسے

۱؎ غلبہ کا مدار کثرت رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہ نشین ہونی چاہیئے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لئے حکومت کیجاتی ہے۔ جبتک رعیت کو اس بات کا یقین نہو کیونکر امید کیجا سکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جاں نثار ہوگی ۱۲ ۲؎ مرکز کشمیر سے مراد شہر سری نگر ہے ۱۲

فی المثل تختۂ زمرد کا ہی وھاں اک سبزہ زار — سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار
ق
جھیل کے چاروں طرف جسطرح آتے ہیں نظر — زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
۲
تھی بنانے سے غرض تیری یہ ای باغِ نسیم — باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار

چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں — جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن بہرہ دار

اُنکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا — سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگے پار

روزِ روشن میں جب اُنکا جھیل پر پڑتا ہی عکس — نقرئی پانی کی اُسکی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

جنت ای کشمیر کوئی تجھسی دنیا میں نہیں — تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یہاں پھول اور پھل سے مالامال ہے — ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں

ان مکانوں اور چناروں سے جب آگے بڑھے — پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہی ابد پر وقت جاکر منتہی — ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آکر یونہیں

یعنی اقلیمِ ابد اور یہہ جہانِ خامشی — طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونو کہیں

طرفہ سناٹا ہی اس سنسان کوہستان پر — جسکی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
مونہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

ڈھونڈھیے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال — ظاہرا انکا اور انگلستان کا ہی ایک حال

جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ — وہ بھی پستی سے یونہیں پہنچا ہے تا اوجِ کمال

ہے یقیں سنتے ہی میں ہو جائے کام انکا تمام — ہو جنہیں اسکی بلندی تک پہنچنے کا خیال

تا پتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دکاں — اک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال

یعنی اس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گہرا بگاڑ — ق — اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں سے لال

لشکرِ مقدونیہ کی قتلگاہوں پر ہوا — ۲ — بعد مدت گرم پھر ہنگامۂ جنگ و جدال

۳ — اہلِ انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا — آگ بھڑکی مرگ کی اور خون کا دریا بہا

عورتیں اور انکے بچے بے گنہ مارے گئے — گھر جلے اور دشمنِ جاں ہو گئے خود دست و پا

بھائی بندوں کی جفائیں دیکھ کر غمگیں ہوئے — اہلِ انگلستان کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا

اور ہزاروں نے یہ باندھا تھا ملکے منصوبہ بس — عزتِ انگلستان کی اب خاک میں دیجے ملا

صفحۂ ہستی سے نام انکا مٹانے کے لئے — ہو گیا تیار بجان و دل سے ہر چھوٹا بڑا

لیکن انکی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب — پھنس گئے پنجہ میں اسکے یک بیک اہلِ خطا

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اسکے نشاں

گو ہوئی دلی پہ حاصل برملا فتح و ظفر — پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر

پر نہ اس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ — وسوسوں سے دل تھے سب اسلئے زیر و زبر

جونک جونک اٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی لوگ — اڑ گئی دنیا سے گویا فارغ البالی سفر

صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ — شکلیں ہیبت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر

لے یہ ٹھیری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب — تابع فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر

قوت بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے — وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُسکے فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا

عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اِس نوید روح پرور کی اشاعت کے لئے — ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے

البرٹ اڈورڈ جسکے دو دو اقبال ہیں — سو جلیل القدر سلطان اس سے پہلے ہو چکے

جسکے دادا نے کیا زیر و زبر نظم فرانس — اور بیٹا تاہم لقب جسکا ہے اُس جنگ کے

دی فرانسیسوں کو جسمیں زک وہ انگلستان نے — جس کے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے

حاکم بوہیمیا کی چھین لی تھی جسمیں ڈھال — خود ولیعہد زماں نے یاری اقبال سے

جسپہ لکھے اعتراف بندگی کے برملا — حاکم بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذات والا میں فضائل اسقدر

وہ ہوا مامور اِس کار عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے لیکر تا عدن — اُسکے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن

راگ گاتے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے — جوش شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن

شہر میں جنگل میں میدانوں میں سر راہ میں — جمع تھی اُسکی لئے خلق انجمن در انجمن

وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجو نکی جھڑی
کھچ چکے ہیں اُس ہمایوں جشن کے نقشے بہت
چاہتا ہوں کھینچنا خاکا اک اُس دربار کا

پڑ رہی ہے جنکی گویا کان میں اب تک بھرن
میں بھی اے وکٹوریا اے فخر شاہانِ زمن
جسمیں کی تو نے قبائے قیصری زیب بدن

جسمیں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے
جو کہا تھا مُنہ سے آخر کر دکھایا قوم نے

تمت بالخیر

اشتہار

کچھ عرصہ سے عدم فرصتی کے باعث خاکسار نے اپنی کتابوں کا سلسلہ سید عبد العلی صاحب کے متعلق کر دیا ہے جو آجکل پنڈت کے کوچہ کے قریب میر افضل کی گلی میں رہتے ہیں جن صاحب کو منجملہ مفصلۂ ذیل کتابوں میں سے کوئی کتاب درکار ہو میر صاحب مذکور سے ویلیو پی ایبل طلب فرمائیں۔ مگر اپنا نام اور پتہ صاف تحریر کریں ✤

نام کتاب		قیمت	محصول
مجموعہ نظم حالی	کاغذ قسم اول	۱۲ر	۰ر
	" قسم دوم	۸ر	۰ر
مسدس حالی		۸ر	ار
حیات سعدی		عصہ	۱ر
بیوہ کی مناجات		۲ر	۰ر
شکوہ ہند		۲ر	۰ر
مثنوی حقوق اولاد		۲ر	۰ر
دیوان و رقعات نواب مصطفےٰ خاں حسرتی مرحوم		عصہ	ار

(راقم الطاف حسین حالی پانی پتی)